Globethics Repository

Lafaz bid'at itlaq (PART 1)

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	Manshurat Minhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-11-19 18:40:57
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/188465

لفظ بدعت کا اِطلاق

(اَحادیث و آثار کی روشنی میں)

تحقیق و تدوین:

محمد اَفضل قادری

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042-7237695

www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

www.MinhajBooks.com



مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔ا) ۴-ا / ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل و ایم ۴ / ۹۷۰-۷۳، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔ا / اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت / اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب : لفظ بدعت کا اِطلاق (اَحادیث و آثار کی روشنی میں)

تصنیف : شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تحقیق و تدوین : محمد اَفضل قادری

زیرِ اِہتمام : فریدِ ملّت ؒ ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk

مطبع : منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور

اِشاعتِ اَوّل : ستمبر 2007ء

تعداد : 1,100

قیمت پریمئر کاغذ : -/130 روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاجُ القرآن کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب : لفظ بدعت کا اِطلاق (اَحادیث و آثار کی روشنی میں)

تصنیف : شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تحقیق و تدوین : محمد اَفضل قادری

زیرِ اِہتمام : فریدِ ملّت ؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk

مطبع : منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور

اِشاعتِ اَوّل : ستمبر 2007ء

تعداد : 1,100

قیمت اِمپورٹڈ کاغذ : -/160 روپے



نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاجُ القرآن کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

www.MinhajBooks.com

فہرس

مشتملات	صفحہ
❁ پیش لفظ	۱۱
باب اوّل	
بدعت کا معنی و مفہوم	۱۵
بدعت کی تعریف	۱۷
وضاحت	۱۹
بدعت کا درست اِطلاق	۲۰
حدیث من أحدث فی أمرنا هذا ..... سے اِستدلال	۲۰
ابنِ اَثیر جزریؒ کے نزدیک بدعت کی اِطلاقی صورت	۲۲
مغالطے کا اِزالہ	۲۴
باب دوم	
بدعت (اَحادیث و آثار کی روشنی میں)	۲۷

www.MinhajBooks.com

مشتملات	صفحہ
فصل اوّل: تصورِ بدعت اور اَحادیثِ نبوی ﷺ	۲۹
اِحداث و بدعت کا باہمی ربط	۳۱
اَحادیث میں لفظِ بدعت کے اِطلاقات	۳۳
ہر بدعت علی الاطلاق ضلالت نہیں ہوتی	۳۵
احادیث میں لفظِ اِحداث کے اِطلاقات	۴۱
فصل دوم: تصورِ بدعت اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم	۴۷
۱۔ جمعِ قرآن اور شیخین کا عمل	۴۹
۲۔ باجماعت نمازِ تراویح کی ابتدا	۵۲
۳۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اَذان	۵۸
۴۔ قطعِ ید کی سزا کی معطّلی	۶۱
۵۔ چور کے قطع ید کی بجائے مالک کو دوگنا قیمت ادا کرنے کا حکم	۶۲
۶۔ عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز سے روکنا	۶۴
۷۔ مانعینِ زکوٰۃ سے قتال	۶۵
۸۔ جرمِ لواطت پر جلانے کی سزا	۶۷
۹۔ کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت	۶۸

مشتملات	صفحہ
۱۰۔ مؤلفۃ القلوب کی شق کی معطّلی	۶۹
۱۱۔ مفتوحہ زمینوں کی تنظیم کے بارے میں فیصلہ	۷۱
۱۲۔ تاجروں سے عشور کی وصولی	۷۲
۱۳۔ مجرم کے لیے شہر بدری کے حکم کی منسوخی	۷۴
۱۴۔ گھوڑوں اور غلاموں پر صدقہ لینے کا حکم	۷۵
۱۵۔ بیت المال سے وظیفہ کا تقرر	۷۷
فصل سوم: تصورِ بدعت اور عصری نظائر و واقعات	۷۹
۱۔ اسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ	۸۱
۲۔ پختہ مساجد کی تعمیر کا مسئلہ	۸۳
۳۔ قرآن کا ترجمہ و تفسیر	۸۴
۴۔ دینی علوم و فنون کی تدوین و تنظیم	۸۵
دین کی اصل روح کو سمجھنا ضروری ہے	۸۷
باب سوم	
قرونِ اُولیٰ اور اِطلاقِ بدعت	۸۹

www.MinhajBooks.com

مشتملات	صفحہ
قرونِ اُولیٰ میں بدعت کا اِطلاق کن پر ہوتا تھا ؟	۹۱
۱۔ خوارج	۹۲
۲۔ مُرجئہ	۱۰۱
۳۔ معتزلہ	۱۰۲
۴۔ جَھْمِیَّہ	۱۰۵
۵۔ روافض و باطنیہ	۱۰۷
۶۔ قدریہ	۱۱۰
قرونِ اُولیٰ میں مستحبات پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا	۱۱۳
تابعین اور تبع تابعین اپنے دور میں اہلِ بدعت سے اجتناب کرتے تھے	۱۱۹
قرونِ اولیٰ میں بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا	۱۲۹
باب چہارُم	
اِجتہاد اور تصورِ بدعت	۱۳۳
أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي سے نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر اِستدلال	۱۳۵
اِجتہاد پر اَجر وثواب کی نوید	۱۳۸
اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا	۱۴۰

مشتملات	صفحہ
مثالوں سے وضاحت	۱۴۲
خلاصۂ بحث	۱۵۲
باب پنجم	
اِباحت اور تصورِ بدعت	۱۵۵
فصل اوّل: اَصلاً تمام اَشیاء مباح ہیں	۱۵۷
مُباح اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا	۱۵۹
اِباحتِ اصلی جاننے کا اُصولی قاعدہ	۱۶۰
اِسلام آسان دین ہے	۱۶۴
تصریحِ محرمات کا قرآنی فلسفہ	۱۷۴
اِباحتِ اَصلی اور مفسرین کا نقطۂ نظر	۱۷۸
۱۔ اِمام ابوبکر احمد بن علی جصاص الحنفیؒ (۳۷۰ھ)	۱۷۸
۲۔ امام محمود بن عمر الزمخشریؒ (۵۳۸ھ)	۱۷۹
۳۔ اِمام محمد بن احمد مالکی القرطبیؒ (۶۷۱ھ)	۱۸۰
۴۔ اِمام عبداللہ بن محمود بن احمد النسفیؒ (۷۱۰ھ)	۱۸۱
قابلِ افسوس پہلو	۱۸۲

مشتملات

مشتملات	صفحہ
فلسفہ حلال وحرام کی روشنی میں تصور بدعت	۱۸۶
فصل دوم: کسی شے کا عدمِ ذکر دلیلِ حرمت نہیں ہے	۱۸۹
حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسی عمل کا ثابت نہ ہونا بدعتِ محرّمہ نہیں	۱۹۱
عدمِ ثبوتِ فعل کے حکم کا اُصولی ضابطہ	۱۹۱
نفسِ مسئلہ پر کتاب وسنت سے دلائل	۱۹۲
قابلِ توجہ نکتہ	۱۹۵
خلاصۂ بحث	۲۰۰
❁ مآخذ ومراجع	۲۰۱

www.MinhajBooks.com

پیش لفظ

بعض لوگ لفظِ ''بدعت'' کے مفہوم کو بہت زیادہ بے محل اور غلَط انداز میں پیش کرتے ہیں۔ وہ قطع نظر اس اَمر کے کہ یہ لفظ قرآن و حدیث، آثارِ صحابہ اور اَقوالِ اَئمہ ومحدّثین میں کس معنی میں استعمال ہوا ہے، ہر بدعت (یعنی نئے کام) کو ضلالت وگم راہی اور حرام قرار دے کر اُمت کی بھاری اکثریت کو مشرک و بدعتی قرار دیتے ہیں، جس سے نہ صرف اُمت میں اِضطراب و اِنتشار پیدا ہوتا ہے بلکہ شرعی تعلیمات و اِصطلاحات بھی اِبہام وتشکیک کی گرد میں گم ہوجاتی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں حضرت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مد ظلہ العالی نے قرآن وحدیث، آثارِ صحابہ اور اَقوالِ اَئمہ ومحدّثین کی روشنی میں لفظِ بدعت کے درست مفہوم اور حقیقی اطلاق کو بیان کیا ہے۔ آپ نے واضح کیا ہے کہ شریعتِ اِسلامیہ میں لفظِ بدعت کا معنی محض ضلالت وگم راہی یا حرام و مردود ہی نہیں ہے بلکہ یہ بے شمار مواقع پر مباح، جائز اور مشروع اُمور کے لیے بھی اِستعمال ہوا ہے۔ جس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ کلامِ الٰہی، فرمانِ رسول اور محاورۂ عرب میں لفظِ بدعت اُس مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا جس میں آج کل ایک خاص مذہبی پس منظر اور نقطۂ نظر رکھنے والے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ وہ آیاتِ مقدسہ اور اَحادیثِ مبارکہ جو کفار ومشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں، محض اپنے خود ساختہ تصورات یا جہالت کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ پر منطبق کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں امام بخاریؒ اپنی ''الصحیح'' کی کتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم کے باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم (ج: ٦، ص: ٢٥٣٩) سے متصل ترجمۃ الباب کے طور پر سورۂ توبہ کی آیت نمبر ١١٥ - وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ -

کے ذیل میں نقل کرتے ہیں:

وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ رضي الله عنهما يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ، وَ قَالَ: إِنَّهُمُ انْطَلَقُوا إِلَی آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْکُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ.

''حضرت عبد اللہ ابن عمر رضي الله عنهما انہیں (یعنی خوارج کو) بدترین مخلوق سمجھتے تھے اور فرمایا کہ اُنہوں نے جو آیتیں کفار کے حق میں نازل ہوئیں اُنہیں مسلمانوں پر چسپاں کردیا۔''

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضي الله عنهما کے اِس فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ آیات واَحادیث اور شرعی اِصطلاحات کو بے محل اِستعمال کرنے والا ایک طبقہ اُن کے زمانے میں بھی موجود تھا جنہیں خوارج کہا جاتا تھا۔ آج اُسی خارجی فکر کے علم بردار وہ آیاتِ مقدسہ اور اَحادیثِ مبارکہ جو کفار ومشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں اُنہیں بڑی بے باکی سے اُمتِ مسلمہ پر چسپاں کر رہے ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی ظالمانہ اور جاہلانہ طرزِ عمل ہے۔

حضرت شیخ الاسلام نے دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ بذاتِ خود لفظِ بدعت میں کوئی نقص اور منفی معنی نہیں ہے۔ اس کے حُسن و قبح کا اِنحصار قرآن و حدیث پر ہے۔ اگر وہ شریعت میں کسی مستحسن کے تحت داخل ہے تو اس کا اِنطباق اُمورِ حسنہ پر ہوگا اور اگر وہ شریعت میں کسی ناپسندیدہ عمل کے تحت آتی ہے تو اِس کا اِطلاق اُمورِ قبیحہ (غیر پسندیدہ) پر ہوگا۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی شرعی دلیل، شرعی اَصل، مثال یا نظیر پہلے سے کتاب وسنت اور آثارِ صحابہ میں موجود نہ ہو وہ ''بدعت'' ہے لیکن ہر بدعت غیر پسندیدہ یا ناجائز وحرام نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی بدعت ناجائز ہوگی جو کتاب وسنت کے واضح احکامات سے متعارض و متناقص (contradictory) ہو۔ دوسرے لفظوں میں بدعتِ سیئہ یا بدعتِ ضلالہ صرف اُس عمل کو کہیں گے جو واضح طور پر کسی متعین سنت کے ترک کا باعث بنے اور جس عمل سے کوئی سنت متروک نہ ہو وہ ناجائز نہیں بلکہ مباح ہے۔ اِسی مؤقف کی تائید کرتے ہوئے معروف غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن

خان بھوپالی (۱۳۰۷ھ) ''ھدیۃ المھدی (ص: ۱۱۷)'' میں لکھتے ہیں:

البدعة الضّلالة المحرّمة هی التی ترفع السّنة مثلها والتی لا ترفع شیئا منها فلیست هی من البدعة بل هی مباح الاصل.

''بدعت وہ کام ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔''

دعا ہے کہ اللہ ﷻ ہمیں دین کا حقیقی فہم عطا فرمائے اور حکمت و دانش کے ساتھ اُمورِ دعوت و تبلیغ نبھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین

محمد افضل قادری

(سینئر ریسرچ اسکالر)

فریدِ ملّت ؒ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۱۴ ستمبر، ۲۰۰۷ء

www.MinhajBooks.com

باب اَوّل



بدعت کا معنی و مفہوم

بدعت کی تعریف

وضاحت

بدعت کا درست اِطلاق

حدیث من أحدث فی أمرنا هذا ..... سے اِستدلال

ابنِ اَثیر جزریؒ کے نزدیک بدعت کی اِطلاقی صورت

مغالطے کا اِزالہ

www.MinhajBooks.com



www.MinhajBooks.com

لفظِ بدعت کے معنی و مفہوم اور اس کے درست اِطلاقات (applications) کی تفہیم کے لیے ہمیں سب سے پہلے اِس اَمر پر غور کرنا ہوگا کہ یہ لفظ کلامِ الٰہی، اَحادیثِ رسول اور عربی محاورے میں کن کن معانی میں اِستعمال ہوا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ و محدّثین لفظِ بدعت سے کیا مراد لیتے تھے۔ کیا وہ ہر بدعت (یعنی نئے کام) کو محض اُس کے ''نئے پن'' کی وجہ سے حرام، مردود اور نامقبول قرار دیتے تھے یا اس کے ردّ و قبول کا کوئی پیمانہ اور کسوٹی تھی جس پر پرکھ کر اس کے جواز یا عدمِ جواز کا فیصلہ کیا جاتا تھا؟ ذیل میں قرآن و حدیث، آثارِ صحابہ اور اَقوالِ ائمہ و محدّثین کی روشنی میں لفظِ بدعت کے حقیقی اِطلاق کو بیان کیا جائے گا تاکہ بدعت کے بارے میں پھیلائے گئے غلط تصورات کی اِصلاح ہو سکے۔

بدعت کی تعریف

بدعت عربی زبان کا لفظ ہے جو ''بَدَعَ'' سے مشتق ہے۔ اس کا معنی کسی سابقہ مادہ، اَصل، مثال، نمونہ یا وجود کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی شے کو نیست سے ہست کرنے اور عدمِ محض سے وجود میں لانے کو عربی زبان میں ''اِبداع'' کہتے ہیں۔

امام اِبن حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) بدعت اور اِحداث کا اِصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایسے کسی کام پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوگا جس کی اَصل، مثال یا نمونہ شریعت میں موجود ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

المحدثة والمراد بها ما أُحدث وليس له اصلٌ فی الشّرع، ويسمّی فی عرف الشّرع بدعة، وما كان له أصل يدلّ عليه الشّرع فليس ببدعة، فالبدعة فی عرف الشّرع مذمومة بخلاف اللّغة: فان كلّ شیء أحدث علی غير مثال يسمی بدعة، سواء كان محمودًا أو مذمومًا۔ (۱)

''محدثہ سے مراد ایسے نئے کام کا ایجاد کرنا ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو۔ اسی محدثہ کو اِصطلاحِ شرع میں ''بدعت'' کہتے ہیں۔ لہٰذا ایسے کسی کام کو بدعت نہیں کہا جائے گا جس کی اصل شریعت میں موجود ہو جو اس پر دلالت کرے۔ شرعی اعتبار سے بدعت فقط بدعتِ مذمومۃ کو کہتے ہیں بدعتِ لغویۃ کو نہیں۔ پس ہر وہ کام جو مثالِ سابق کے بغیر ایجاد کیا جائے اسے بدعت کہتے ہیں چاہے وہ بدعتِ محمودہ ہو یا بدعتِ مذمومہ۔''

علامہ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) بدعت کی تعریف کرتے ہوئے اپنے معروف فتاویٰ ''مجموع الفتاویٰ'' میں لکھتے ہیں کہ بدعت کا اِطلاق خوارج، روافض، قدریہ اور جہمیہ جیسے گمراہ کُن عقائد پر ہوگا:

والبدعة ما خالفت الكتاب والسنة أو إجماع سلف الأمة من الاعتقادات والعبادات كأقوال الخوارج والروافض والقدرية والجَهْمِيَّة۔ (۲)

''بدعت سے مراد ایسا کام ہے جو اعتقادات و عبادات میں کتاب و سنت اور اُخیارِ امت کے اِجماع کی مخالفت کرے۔ جیسے خوارج، روافض، قدریہ اور

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۳: ۲۵۳
(۲) ابن تیمیه، مجموع الفتاویٰ، ۳: ۱۹۵

جہمیہ کے عقائد۔‘‘

وضاحت

مُنذکرہ بالا تعریفات سے یہ حقیقت مُترشّح ہو جاتی ہے کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی شرعی دلیل، شرعی اصل مثال یا نظیر (precedence) پہلے سے کتاب وسنت اور آثارِ صحابہ میں موجود نہ ہو وہ ’’بدعت‘‘ ہے لیکن ہر بدعت غیر پسندیدہ یا ناجائز وحرام نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی بدعت ناجائز ہوگی جو کتاب وسنت کے واضح احکامات سے متعارض و متناقص (contradictory) ہو۔ دوسرے لفظوں میں بدعتِ سیئہ یا بدعتِ ضلالہ صرف اُس عمل کو کہیں گے جو واضح طور پر کسی متعین سنت کے ترک کا باعث بنے اور جس عمل سے کوئی سنت متروک نہ ہو وہ نا جائز نہیں بلکہ مباح ہے۔ اِسی مؤقف کی تائید کرتے ہوئے معروف غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس سے کوئی سنت متروک ہو۔ جو نیا کام کسی اَمرِ شریعت سے متناقص نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے۔ شیخ وحید الزماں اپنی کتاب ’’هدية المهدی‘‘ کے صفحہ نمبر ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

البدعة الضّلالة المحرّمة هی التی ترفع السّنة مثلها والتی لا ترفع شيئا منها فليست هی من البدعة بل هی مباح الاصل۔

’’بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔‘‘

رہی وہ بدعت جو مستحسن اُمور کے تحت داخل ہے اور وہ قرآن وحدیث کے کسی حکم سے ٹکراتی بھی نہیں تو وہ مشروع، مباح اور جائز ہے، اسے محض بدعت یعنی نیا کام

ہونے کی بنا پر مکروہ یا حرام قرار دینا کتاب وسنت کے ساتھ نا اِنصافی ہے۔

بدعت کا درست اِطلاق

ذیل میں اَحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں بدعت کا درست اِطلاق بیان کیا جا رہا ہے جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ ''اَحادیثِ بدعت'' کا حقیقی اِطلاق (application) کن کن بدعات پر ہوتا ہے۔

من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس فيه فهو ردٌّ سے اِستدلال

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذا مَا لَيْسَ مِنْه فَهُوَ رَدٌّ۔(۱)

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

''صحیح بخاری'' میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الاقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ۳: ۱۳۴۳، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمه، باب تعظيم حديث رسول الله ﷺ، ۱: ۷، رقم: ۱۴

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۷۰، رقم: ۲۶۳۷۲

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۲۰۷، رقم: ۲۶

۵۔ دارقطنی، السنن، ۴: ۲۲۴، رقم: ۷۸

۶۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۱: ۲۳۱، رقم: ۳۵۹

۷۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۱۰: ۱۱۹

کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ۔(۱)

’’جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں اصلاً نہ تھی تو وہ مردود ہے۔‘‘

ان اَحادیث میں لفظِ ’’اَحْدَثَ‘‘ کے بعد ’’مَا لَيْسَ مِنْهُ‘‘ یا ’’مَا لَيْسَ فِيهِ‘‘ کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ عرفِ عام میں ’’اَحْدَثَ‘‘ کا معنی ’’دین میں کوئی چیز ایجاد کرنا‘‘ ہے اور لفظ ’’مَا لَيْسَ مِنْهُ‘‘ اَحْدَثَ کے مفہوم کو واضح کر رہا ہے کہ ’’اَحْدَثَ‘‘ سے مراد وہ نئی چیز ہوگی جو اس دین میں نہ ہو۔ حدیث کے اس مفہوم سے ذہن میں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ اگر ’’اَحْدَثَ‘‘ سے مراد ’’دین میں کوئی بھی نئی چیز پیدا کرنا‘‘ ہے تو جب ایک چیز نئی پیدا ہو رہی ہے تو پھر یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی: ’’مَا لَيْسَ مِنْهُ‘‘ یا ’’مَا لَيْسَ فِيهِ‘‘؟ کیوں کہ اگر وہ دین کا حصہ تھی تو اس کو نئی کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور جس کو نئی چیز کہہ دیا تو لفظ ’’اَحْدَثَ‘‘ ذکر کر دینے کے بعد اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ ’’مَا لَيْسَ مِنْهُ‘‘ کا اضافہ کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ دین میں سے ہو تو نئی (مُحْدَثَہ) نہ رہی اور اگر وہ نئی ہے تو ’’ما لیس منه‘‘ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ نئی چیز تو کہتے ہی

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، ۲: ۹۵۹، رقم: ۲۵۵۰

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۶

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ أبو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲

۶۔ بیهقی، الاعتقاد، ۱: ۲۲۹

۷۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲

اسے ہیں جو پہلے دین میں موجود نہ ہو۔ ذیل میں ''أحدث'' کے بعد ''ما لیس منه'' ذکر کرنے کی حکمت بیان کی جاتی ہے۔

أَحْدَثَ کے بعد مَا لَیْسَ مِنْهُ فرمانے میں حکمت

متذکرہ بالا حدیث پر فکر و تدبّر کرنے اور اس میں ''أحدث'' کے بعد ''ما لیس منه'' کے اِضافہ پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر نئے کام پر بدعت یعنی بدعتِ سیئہ کا اِطلاق نہیں ہوتا بلکہ بدعت صرف وہ نیا کام ہوگا کہ جس کے لئے دین میں سرے سے کوئی اصل، مثال، ذکر، معرفت یا حوالہ ہی نہ ہو اور اُسے دین میں یعنی ضروریاتِ دین، واجباتِ اسلام اور اَساسی عقائدِ شرعیہ میں یوں داخل کیا جائے کہ وہ ''اساسیاتِ دین میں اضافہ'' بن جائے۔ جس سے دینِ اسلام کے بنیادی اُصولوں میں اصلاً کمی یا بیشی واقع ہو جائے۔ یہ اِحداث دینِ اِسلام کی مخالفت اور دین میں ''فتنہ'' تصور ہوگا۔

ابنِ اَثیر جزریؒ اور امام غزالیؒ کے نزدیک بدعت کی اِطلاقی صورت

علامہ ابنِ اَثیر جزریؒ (۶۰۶ھ) لفظِ اِحداث و بدعت کی اِطلاقی صورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وعلی هذا التاویل یحمل الحدیث الآخر کل محدثة بدعة انما یرید ما خالف اُصول الشّریعة ولم یوافق السنة۔[1]

''اِن دلائل کی بنا پر حدیث ''کل محدثة بدعة'' کی وضاحت یوں ہوگی کہ اِس سے مراد ہر وہ نیا کام ہوگا جو اُصولِ شریعت کے مخالف ہو اور سنت سے

(۱) ۱۔ ابن اثیر جزری، النهایة فی غریب الحدیث و الأثر، ۱: ۱۰۶
۲۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، ۸: ۶

کوئی مطابقت نہ رکھتا ہو۔‘‘

امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کے نزدیک بھی جب تک یہی دو شرائط (احداث اور ما لیس منه) نہ پائی جائیں کوئی نیا کام بدعتِ مذمومہ نہیں ہوسکتا۔ وہ لکھتے ہیں:

فليس كل ما أبدع منهيا بل المنهي بدعة تضاد سُنة ثابتة و ترفع أمرا من الشّرع مع بقاء علته۔ (۱)

’’ہر بدعت ممنوع نہیں ہوتی بلکہ ممنوع صرف وہ بدعت ہوتی ہے جو سنتِ ثابتہ سے متضاد ہو اور اس سنت کی علت کے ہوتے ہوئے اَمرِ شریعت کو اُٹھا دے۔‘‘

لیس فیه اور لیس منه میں فرق

ہر کام کی دو حیثیتیں (dimensions) ہوتی ہیں۔ ایک اِس کی اصل اور دوسری اس کی ہیئت۔ جیسے نماز کی اصل ذکرِ الٰہی ہے اور اس کی ہیئت مخصوص اَوقات میں خاص طریق سے عبادت کرنا ہے۔ اسی طرح روزہ کی اَصل حصولِ تقویٰ ہے مگر ایک خاص وقت سے خاص وقت تک کھانے پینے وغیرہ سے اِجتناب کرنا اسکی ہیئتِ کذائیہ ہے۔ پس ’’ما لیس فیه‘‘ کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کام کا اِضافہ کیا جسکی سرے سے شریعت میں کوئی اَصل، کوئی حوالہ، کوئی مثال، کوئی بنیاد اور کوئی جنس موجود نہ تھی اور پھر ’’ما لیس فیه‘‘ اور ’’ما لیس منه‘‘ میں ’’ہ‘‘ ضمیر کا مرجع ’’أمرنا هذا‘‘ ہے۔ یعنی ایسا کام ایجاد کیا جو ضروریاتِ دین میں نہ تھا مگر اُسے دین کے واجبات اور بنیادی اُصولوں میں داخل کر دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے اَساسی عقائد میں اِضافہ کر دیا یا دین کے بنیادی اُصولوں میں کوئی کمی کر دی، احکامِ دین کو توڑا یا دین کی مخالفت کر دی جس سے دینِ اِسلام کی شکل بدل جائے تو ایسے اِحداث کو فتنہ اور بدعتِ سیّئہ کہا جائے گا۔

مذکورہ حدیث (من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو ردٌّ) کے حوالے

(۱) غزالی، إحياء العلوم، ۲: ۳

سے یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اِسے اِمام ابن ماجہؒ نے باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ کے ذیل میں درج کیا ہے۔[1] ہر محدِّث، حدیث کا جو مفہوم سمجھتا ہے اُسے ایک عنوان قائم کر کے اُس کے تحت لاتا ہے۔ اِمام ابن ماجہؒ کا اِس حدیث کو باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ کے تحت لانے کا مقصود یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب نہ کیا جائے۔ وہ ''من أحدث في أمرنا هذا'' سے حضور ﷺ کی طرف کوئی جھوٹی حدیث منسوب کرنا مراد لے رہے ہیں یعنی اگر کسی نے کوئی آیت گھڑی اور قرآن کی طرف منسوب کر دی یا کوئی حدیث گھڑی اور حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دی تو وہ مردود ہوگی۔

مغالطے کا ازالہ اور ''فَهُوَ رَدٌّ'' کا درست مفہوم

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔[2]

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا کوئی اَمر موجود نہیں تو وہ مردود ہے۔''

اس حدیث میں ''لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا'' سے عام طور پر یہ مراد لیا جاتا ہے کہ کوئی بھی کام (خواہ وہ نیک اور اَحسن ہی کیوں نہ ہو) مثلاً اِیصالِ ثواب، میلاد اور دیگر سماجی، روحانی اور اخلاقی اُمور، اگر اُن پر قرآن و حدیث سے کوئی نص موجود نہ ہو تو یہ بدعت اور

(۱) ابن ماجه، السنن، المقدمه، باب تعظيم حديث رسول الله، ۱: ۷، رقم: ۱۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الاقضيه، باب نقض الاحكام الباطلة، ۳: ۱۳۴۳، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۸۰، رقم: ۲۵۵۱۱

۳۔ دارقطني، السنن، ۴: ۲۲۷، رقم: ۸۱

۴۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۴۴، رقم: ۷۷

۵۔ ابن رجب حنبلي، جامع العلوم والحكم، ۱: ۶۵

مردود ہیں۔ یہ مفہوم سراسر غلط اور مبنی بر جہالت ہے کیونکہ اگر یہ معنی لے لیا جائے کہ جس کام کے کرنے کا حکم قرآن و سنت میں نہ ہو وہ حرام ہے تو پھر شریعت کے جملہ مباحات کا کیا ہوگا کیوں کہ مباح تو کہتے ہی اسے ہیں جس کے کرنے کا شریعت میں حکم نہ ہو۔

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی مذکورہ دونوں روایات میں ''فهو ردٌّ'' کا اطلاق نہ صرف ''ما ليس منه'' پر ہوتا ہے اور نہ ہی فقط ''أحدث'' پر بلکہ اس کا صحیح اطلاق اُس صورت میں ہوگا جہاں یہ دونوں اُمور (أحدث اور ما ليس منه) جمع ہو جائیں یعنی بدعت کا اِطلاق صرف اُسی عمل پر ہوگا جو نیا بھی ہو اور جس کی کوئی اصل، مثال یا دلیل بھی دین میں نہ ہو اور کسی جہت سے بھی وہ تعلیماتِ دین سے ثابت نہ ہو۔ پس اس وضاحت کی روشنی میں کسی بھی ''محدثه'' کے بدعت و ضلالت قرار پانے کے لئے دو شرائط کا ہونا لازمی ہے:

۱۔ دین میں اس کی سرے سے کوئی اصل، مثال یا دلیل موجود نہ ہو۔

۲۔ نہ صرف دین کے مخالف اور متضاد ہو بلکہ دین کی نفی کرے اور احکامِ سنت کو توڑے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی اصل بالواسطہ یا بلا واسطہ نہ قرآن میں ہو نہ سنتِ رسول ﷺ میں اور اس کو ضروریاتِ دین[1] میں شمار کر لیا جائے جس سے دین کی مخالفت بھی ہو، ایسی بدعت کو ''بدعت سيئه'' اور ''بدعت ضلاله'' کہتے ہیں اور حضور ﷺ کے اِرشاد - كل بدعة ضلالة - سے بھی یہی بدعت مراد ہے نہ کہ ہر نئے کام کو ''ضلالة'' کہا جائے گا۔

(۱) ضروریاتِ دین ان اُمور کو کہتے ہیں جن میں سے کسی ایک کا اِنکار کرنے سے بھی اِنسان کافر ہو جاتا ہے۔

باب دوم

بدعت

(اَحادیث و آثار کی روشنی میں)

فصل اَوّل:

تصورِ بدعت اور اَحادیثِ نبوی

فصل دوم:

تصورِ بدعت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

فصل سوم:

تصورِ بدعت اور چند عصری نظائر و واقعات

www.MinhajBooks.com



www.MinhajBooks.com

فصل اَوّل



تصورِ بدعت اور اَحادیثِ نبوی

اِحداث و بدعت کا باہمی ربط

اَحادیث میں لفظِ بدعت کے اِطلاقات

ہر بدعت علی الاطلاق ضلالت نہیں ہوتی

اَحادیث میں لفظِ اِحداث کے اِطلاقات

www.MinhajBooks.com



www.MinhajBooks.com

اِحداث و بدعت کا باہمی ربط

اَحادیثِ نبوی میں بدعت کا تصور کیا ہے؟ اس موضوع کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تصورِ بدعت کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے دو الفاظ اِستعمال فرمائے ہیں:

۱۔ اِحداث

۲۔ بدعت

سب سے پہلے یہ بنیادی بات ذہن میں رکھ لیں کہ بدعت کا مدار ''اِحداث'' پر ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس فيه فهو ردٌّ۔ (۱)

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں اصلاً نہ تھی تو

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، ۲: ۹۵۹، رقم: ۲۵۵۰

۲۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۶

۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲

۶۔ بیهقی، الاعتقاد، ۱: ۲۲۹

۷۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲

وہ مردود ہے۔‘‘

یعنی وہ اِحداث مردود ہوگا جو اس دین میں اصلاً نہ ہو۔ دوسری حدیثِ مبارکہ میں فرمایا:

كلّ محدثة بدعة، وكلّ بدعة ضلالة۔(۱)

’’ہر محدثہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ لوگ حدیث کا صرف ایک ٹکڑا پکڑ کر ’’کل محدثة بدعة‘‘ کی تو رَٹ لگاتے رہتے ہیں مگر یہ محدثہ بدعت بنا کیسے؟ وہ ان کے باہمی ربط کو توڑ دیتے ہیں، اِس خلطِ مبحث کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں: ’’كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة‘‘ یعنی ہر محدثہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالہ ہے۔ اس حدیث پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صرف وہ بدعت ضلالہ ہوگی جو ’’محدثہ‘‘ ہوگی اور ’’محدثہ‘‘ کے مفہوم کا تعین دوسری حدیث یعنی ’’من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس فيه فهو ردٌّ‘‘ نے کر دیا کہ ’’محدثہ‘‘ فقط وہ ہوگا جو نیا ہونے کے ساتھ ساتھ ’’ما ليس فيه‘‘ کی شرط پر بھی پورا اُترتا ہو۔ جب ’’إحداث‘‘ کا مفہوم واضح ہو گیا تو دوسری یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ بدعت کے لئے ’’محدثہ‘‘ ہونا ضروری ہے اور جو بدعت ’’محدثہ‘‘ ہوگی وہی ’’ضلالة‘‘ ہوی کیونکہ بدعت کا مدار ہی اِحداث پر ہے۔

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، السنن، كتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

یہ تفصیل اس لئے بیان کی گئی ہے کہ اگر اِن اَلفاظ کے معانی کا تعین نہ کیا جائے بلکہ صرف محدثہ اور بدعت کے لفظ کی بنیاد پر بحث ومجادلہ کا بازار گرم کرلیا جائے اور اِن کے ظاہری معانی کی بنیاد پر کفر وشرک کے فتوے صادر کرنا شروع کر دیں تو دین کی تعلیمات اور اَحادیثِ نبوی میں بہت سا خلل واقع ہو جائے گا جو معنوی اِلتباس و اِبہام پر منتج ہوگا۔

اَحادیث میں لفظِ بدعت کے اِطلاقات

ہمارے ہاں لفظِ شِرک کی طرح اِحداث اور بدعت کی دو اِصطلاحات کو بھی ظلم کی حد تک غلط طریقے سے اِستعمال کیا جاتا ہے اور ان کی منفی تعبیرات وتشریحات سے افرادِ اُمت کو ذہنی اِفتراق و اِنتشار میں مبتلا کر دیا جاتا ہے حالاں کہ اَحادیثِ رسول اور آثارِ صحابہ کے بغور مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ لفظاً اِن اِصطلاحات میں مطلقاً کوئی خرابی اور قباحت نہیں ہے۔

ذیل میں کتبِ اَحادیث سے چند مثالیں اور واقعات ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ نفسِ مسئلہ واضح ہو جائے اور اس بات کا اِدراک کرلیا جائے کہ بذاتِ خود اِن اَلفاظ میں کوئی نقص اور منفی معنی نہیں بلکہ اس کے برعکس محاورۂ عرب میں اِن اَلفاظ کا مثبت استعمال بھی عام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بیشتر مقامات پر اِن اِصطلاحات کو مثبت معنی میں بھی اِستعمال فرمایا ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دورِ نبوی اور دورِ صحابہ میں بدعت ایسے کام کو بھی کہتے تھے جو اَصلاً جائز اور سنت ہوتا اور وہ ''بدعة ضلالة'' کے دائرے میں نہیں آتا تھا۔

۱۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

دَخَلْتُ أَنَا وَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ المَسْجِدَ، فَإِذَا عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا جَالِسٌ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ رضي الله عنها، وَإِذَا نَاسٌ يُصَلُّوْنَ فِي

الْمَسْجِدِ صَلَاةَ الضُّحَى . قَالَ: فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلَاتِهِمْ، فَقَالَ: بِدْعَةٌ. ثُمَّ قَالَ لَهُ كَمِ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ اَرْبَعٌ۔(۱)

’’میں اور عروہ بن زبیر مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے (ابنِ عمرؓ سے) اُن لوگوں کی نماز کے متعلق پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا: بدعت ہے۔ پھر اُن سے گزارش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنے عمرے کیے؟ فرمایا کہ چار۔‘‘

اس حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اُسلوبِ بیان سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک لفظِ بدعت کا استعمال اُس قبیح اور خراب معنی میں نہیں ہوتا تھا جتنا آج کل بعض خاص پس منظر رکھنے والے لوگوں نے بنا دیا ہے۔ اسی لئے جب آپ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مسجد میں نمازِ چاشت پڑھنے سے متعلق پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی تأمّل کے بے ساختہ فرمایا: ’’بدعة‘‘ یعنی کوئی بات نہیں یہ بدعت (نیا طریقہ) ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العمرة، باب کم اعتمر النبي ﷺ، ۲: ۶۳۰، رقم: ۱۶۸۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب بیان عدد عمر النبي وزمانهن، ۲: ۹۱۷، رقم: ۱۲۵۵

۳۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۴: ۳۵۸، رقم: ۳۰۷۰

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۲۶۹، رقم: ۳۹۴۵

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۲۸، رقم: ۶۱۲۶

۶۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۲: ۱۷۲، رقم: ۶۱۶

۷۔ ابن راہویه، المسند، ۳: ۶۱۴، رقم: ۱۱۸۷

۸۔ عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۵۲، رقم: ۱۱۲۱

ہر بدعت علی الاطلاق ضلالت نہیں ہوتی

مذکورہ بالا روایت پر غور فرمائیں اگر ''کل بدعة ضلالة'' یعنی ہر بدعت علی الاِطلاق ضلالت ہوتی تو ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اس طریقے سے اِجتماعی نمازِ چاشت کی اَدائیگی کو بند کروا کر فوراً انہیں مسجد سے نکلوا دیتے اور فرماتے کہ تم حرام کر رہے، کیونکہ اِبن عمر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ان کے سامنے کسی خلافِ شریعت اَمر کا اِرتکاب ہو رہا ہو اور وہ خاموش رہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر کہ یہ ''بدعت'' ہے پریشان نہیں ہوئے بلکہ خاموش رہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک محض کسی طریقے کا بدعت یعنی ''نیا ہونا'' اس کے مردود اور ناجائز ہونے کو مستلزم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی بحث اور توقُّف کے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دوسرا سوال کیا کہ ''کَمِ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ قَالَ: اَرْبَعٌ'' کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے عمرے کئے؟ فرمایا کہ چار۔ پوری حدیث کا سیاق و سباق یہ بتا رہا ہے کہ نمازِ چاشت کو ''بدعة'' کہتے ہوئے نہ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ضلالت و گمراہی کا کوئی تصور تھا اور نہ ہی سوال کرنے والوں نے اسے بدعت کہنے پر کوئی اعتراض کیا کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے ہاں کسی بھی ''نئے کام'' کے لئے لفظِ بدعت کا استعمال معمول کی بات تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ چاشت کو بدعت کیوں کہا حالاں کہ یہ تو مسنون ہے۔ کتبِ احادیث میں اس نماز کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دو بار گھر سے باہر آ کر مسجد میں نمازِ چاشت ادا فرمائی۔ پھر اس خیال سے کہ مجھے مسلسل نمازِ چاشت پڑھتا دیکھ کر لوگ اسے واجب ہی نہ سمجھنے لگیں، مسجد میں پڑھنا ترک کر دی اور باقی ساری عمر یہ نماز گھر میں ہی ادا فرماتے رہے۔ چوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نماز مسجد میں پڑھتے رہنے کا معمول نہ تھا اور اب صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کثرت کے ساتھ جمع ہو کر مسجد میں پڑھنے لگے تھے،

لہٰذا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح مسجد میں جمع ہو کر نمازِ چاشت پڑھنے کو بدعت کہا اور اگر یہ ’’بدعتِ ضلالۃ‘‘ ہوتی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فوراً اس کا نوٹس لے کر انہیں منع کر دیتے کیونکہ اُس وقت پابندیِ شریعت میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون ہوسکتا تھا۔ نہ آپ رضی اللہ عنہ نے منع کیا نہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے گمراہی سمجھا، نہ ہی نماز پڑھنے والے صحابہ و تابعین نے اسے بُرا جانا اور نہ ہی اِمام بخاریؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد اس پر کوئی فتویٰ صادر کیا۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ بدعت اَیسے کام کو بھی کہتے ہیں جو اَصلاً جائز اور مشروع ہوتا ہے، لہٰذا محض بدعت کہنے سے وہ کام ’’کل بدعة ضلالة‘‘[1] کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ اگر بغیر کسی امتیاز اور تعین کے ہر بدعت کو ضلالت کہنا شروع کر دیں تو پھر معاذ اللہ اس حدیث میں مذکور کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل کو کیا کہیں گے؟ یہاں تو بدعة کے ساتھ لفظ نِعْمَ بھی نہیں آیا۔ صرف بدعة کہا گیا ہے۔ یہاں سے پتہ چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی بھی نئے کام کے لئے بغیر تکلّف کے لفظِ بدعت استعمال کر لیتے تھے اور کسی کام کو بدعت کہنے سے نہ وہ آپس میں جھگڑتے تھے اور نہ ہی کفر و ضلالت کے فتوے صادر کرنے کا معمول تھا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کے ہاں لفظ بدعت اُس معنی میں استعمال ہی نہیں ہوتا تھا جس معنٰی میں آج بعض لوگ زبردستی استعمال کرتے ہیں، کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو ابن عمرؓ کے اس قول پر کہ مسجد میں نمازِ چاشت کی اَدائیگی بدعت ہے، فوراً دوسرے صحابہ و تابعین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث پیش کرتے کہ کل بدعة ضلالة، لیکن ایسا نہیں ہوا کیوں کہ ان صحابہ کو شریعت کا صحیح فہم اور معرفت تھی وہ عرفِ عام میں ہر بدعت کو ضلالت نہیں کہتے تھے بلکہ صرف اس بدعت کو ’’ضلالة‘‘ کہتے تھے جو کتاب و

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

سنت سے متعارض و متخالف ہو۔

۲۔ اِسی روایت کو **اِمام اِبن ابی شیبہؒ** (۲۳۵ھ) نے حضرت اعرج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنِ صَلَاةِ الضُّحَى وَ هُوَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إِلَى حُجْرَةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: بِدْعَةٌ وَ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ۔ (۱)

''میں نے محمد (یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے نماز چاشت کے متعلق سوال کیا جب وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے حجرہ مبارک کے ساتھ پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے تو انہوں نے فرمایا: بدعت ہے اور بہت اچھی بدعت ہے۔''

۳۔ اسی طرح **اِمام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) اپنی ''الصحیح'' میں کتاب صلاۃ التراویح کے باب فضل من قام رمضان میں عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ لَيْلَةً فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ، وَ يُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ: إِنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ، ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ،

..... ۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۲: ۱۷۲

۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۵۲، رقم: ۱۱۲۱

قَالَ عُمَرُ: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ، وَالَّتِي يَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَقُوْمُوْنَ، يُرِيْدُ آخِرَ اللَّيْلِ، وَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ أَوَّلَه۔(۱)

’’میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق تھے۔ ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک آدمی گروہ کے ساتھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دیا جائے تو اچھا ہو گا، پس آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا پھر میں دوسری رات کو ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں، مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔‘‘

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خوف سے کہ لوگ اسے فرض نہ سمجھ لیں نمازِ تراویح اور نمازِ چاشت چند دفعہ صحابہ کے ساتھ باہر پڑھنے کے بعد پھر گھر میں پڑھنا شروع کر دی تاکہ کمزور اور بوڑھے لوگ مشقت میں نہ پڑ جائیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۵۸ھ) فرماتی ہیں بہت سے ایسے اُمور تھے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرنا چاہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں پسند بھی فرماتے تھے مگر نہیں کرتے تھے کہ کہیں مسلسل کرنے کی وجہ سے یہ لوگوں پر

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶
۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰
۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۴: ۲۵۸، رقم: ۷۷۲۳
۴۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰
۵۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹
۶۔ بیهقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

فرض نہ ہو جائیں یا کہیں لوگ اسے واجب نہ سمجھ لیں اور بہت زیادہ مشقت اور تکلیف میں نہ پڑ جائیں۔ ”صحیح بخاری“ میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ان کان رسول اللہ ﷺ لیدع العمل وھو یحب ان یعمل بہ خشیۃ ان یعمل بہ الناس فیفرض علیھم وما سبّح رسول اللہ ﷺ سبحۃ الضحی قط و انی لاسبحھا۔(۱)

”رسول اللہ ﷺ (بعض اَوقات) کسی عمل کو اس ڈر سے ترک کر دیتے کہ لوگ اس کام کو کریں گے تو ان پر فرض کر دیا جائے گا حالانکہ اس کا کرنا آپ ﷺ کو محبوب ہوتا، اور رسول اللہ ﷺ نے نمازِ چاشت بالکل نہیں پڑھی (یعنی پابندی سے) لیکن میں اسے پڑھتی ہوں۔“

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ابواب التقصیر الصلوۃ، باب تحریض النبی ﷺ علی صلوۃ اللیل، ۱: ۳۷۹، رقم: ۱۰۷۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاۃ المسا فرین، باب استحباب صلاۃ الضحیٰ، ۱: ۴۹۷، رقم: ۷۱۸

۳۔ ابو داود، السنن، کتاب التطوع، باب صلاۃ الضحیٰ، ۲: ۲۸، رقم: ۱۲۹۳

۴۔ مالك، الموطأ، کتاب قصر الصلاۃ فی السفر، باب صلاۃ الضحیٰ، ۱: ۱۵۲، رقم: ۳۵۷

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۷۸، رقم: ۲۵۴۹۰

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۱۲، رقم: ۳۱۳

۷۔ ربیع، المسند، ۱: ۸۶، رقم: ۱۹۶

۸۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱: ۱۸۰، رقم: ۴۸۰

۹۔ ابو عوانہ، المسند، ۲: ۲۶۷

۱۰۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۵۰، رقم: ۴۶۹۲

حضور ﷺ نے چوں کہ وقتی مصلحت کے پیشِ نظر اپنی حیاتِ طیّبہ میں مسجد میں با جماعت نمازِ تراویح سے منع فرما دیا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ کے وصال کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ڈھائی سالہ دورِ خلافت میں لوگ نمازِ تراویح الگ الگ پڑھتے رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کے اِبتدائی سالوں میں بھی اِنفرادی طور پر ادا کرتے رہے بعدازاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک اِمام کے پیچھے اکٹھا کر دیا اور جب انہیں مسجد میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا! یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر لفظِ بدعت میں اتنی ہی خرابی ہوتی اور اس کا معنی ہی ضلالت و گمراہی ہوتا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تراویح جیسی عبادت کے لئے کبھی ایسا لفظ استعمال نہ کرتے۔ ویسے بھی وہ اہلِ زبان تھے، اگر ایسی بات ہوتی تو وہ بدعت کی جگہ کوئی دوسرا متبادل لفظ استعمال کرتے، مگر ان سب باتوں کے باوجود انہوں نے لفظِ بدعت ہی استعمال کیا، اس کے استعمال کا ایک مقصد تھا، وہ مقصد یہ تھا کہ اگرچہ ہر نیا کام اپنے ''نئے پن'' کی وجہ سے بدعت ہوتا ہے مگر حضور ﷺ کے فرمان – فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ[1] – کی وجہ سے ہر وہ نیا کام جسے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے شروع کیا ہو، وہ سنتِ خلفاءِ راشدین ہونے کی وجہ سے بدعتِ حسنہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ایک اِمام کی اِقتداء میں باجماعت نمازِ تراویح کا آغاز کیا تو اسے ''نعمت البدعة هذه'' فرمایا۔

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

اَحادیث میں لفظِ اِحداث کے اِطلاقات

لفظِ بدعت کی طرح لفظِ اِحداث کو بھی اس کے غلط اِستعمال کی وجہ سے بعض لوگوں نے اِسے ضلالت و گمراہی کا ہم معنی بنا دیا ہے حالانکہ اِحداثِ حسن کو بدعت و گمراہی قرار دینا بذاتِ خود جہالت و گمراہی ہے۔ ذیل میں اِحداث اور محدثہ کے حوالے سے چند اَحادیث پیش کی جاتی ہیں جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلاتکلّف یہ لفظ اَعمالِ حسنہ کے لیے بھی استعمال کرتے تھے چنانچہ ''کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة'' کے مفہوم میں منشاے رسول کو سمجھے بغیر ہر نئے کام کو بغیر اس کے حُسن و قُبح کے گمراہی قرار دینا دین کیساتھ زیادتی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اِس لفظ میں معاذ اللہ اتنی ہی خرابی اور نقص ہوتا تو کبھی بھی اس کی نسبت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہ کی جاتی۔ اِمام مسلم (۲۶۱ھ) اپنی ''الصحیح'' میں کتاب الصلاة، باب ما یقال فی الرکوع و السجود میں نقل کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُكْثِرُ أَنْ يَقُوْلَ، قَبْلَ أَنْ يَمُوْتَ: سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَ أَتُوْبُ إِلَيْكَ. قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَا هٰذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاكَ أَحْدَثْتَهَا تَقُوْلُهَا؟ قَالَ: جُعِلَتْ لِي عَلَامَةٌ فِي أُمَّتِي إِذَا رَأَيْتُهَا قُلْتُهَا. إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ(۱) إلى آخِرِ السُّوْرَةِ۔(۲)

------ ۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵

۸۔ بیہقی، شعب الایمان، ۲: ۶۷، رقم: ۷۵۱۶

۹۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹

(۱) القرآن، النصر، ۱۱۰: ۱۱۲

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب: الصلاة، باب: ما یقال فی الرکوع و السجود، ۱: ۳۵۱، رقم: ۴۸۴

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ وصال سے پہلے بکثرت یہ کلمات فرماتے تھے: سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِکَ أَسْتَغْفِرُکَ وَ أَتُوْبَ إِلَيْکَ۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اب آپ نے یہ نئے کلمات کیوں فرمانے شروع کر دیے جنہیں میں آپ کو پڑھتے ہوئے دیکھتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کی ایک علامت مقرر کر رکھی ہے جب میں اُمت میں اس علامت کو دیکھتا ہوں تو سورہ (اذا جاء نصر الله و الفتح) پڑھتا ہوں (اس سورت میں جو حکم ہے اس پر عمل کرتا ہوں)۔‘‘

مذکورہ حدیث کے تناظر میں لفظِ ’’احداث‘‘ پر تبصرہ سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ اَقدس سے نکلا ہوا ہر لفظ حق ہے۔[1] آپ جب چاہیں جس وقت چاہیں اور جو چاہیں فرما دیں اور جو فرما دیں وہی سنت بن جاتا ہے۔ وہی ’’فی أمرنا هذا‘‘[2] بن جاتا ہے، وہی دین بن جاتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ سب کچھ جاننے کے باوجود بے ساختہ آپ ﷺ کے ان نئے کلمات کے بارے میں فرماتی ہیں: ’’مَا هَذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاکَ أَحْدَثْتَهَا تَقُوْلُهَا؟‘‘ ’’یا رسول اللہ! اب آپ نے یہ نئے کلمات کیوں پڑھنے شروع کر دیئے جنہیں میں آپ کو پڑھتے ہوئے

..... ۲۔ ابن ابی شيبة، المصنف، ۶: ۴۲، رقم: ۲۹۳۳۲

۳۔ ابو نعيم، المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم، ۲: ۹۸، رقم: ۱۰۷۶

۴۔ طبری، جامع البيان عن تأويل أي القرآن، ۳۰: ۳۳۴

(۱) احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۶۲، رقم: ۶۵۱۱

حاکم، المستدرك، ۱: ۱۸۷، رقم: ۳۵۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور، ۲: ۹۵۹، رقم: ۲۵۵۰

۲۔ ابو داود، السنن، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۶

دیکھتی ہوں؟‘‘

اس حدیث میں لفظِ ’’احداث‘‘ کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی گئی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض کلمات چاہے سنت ہی کیوں نہ ہوں اور آپ ﷺ کے فرمودہ ہی کیوں نہ ہوں اُن کی طرف بھی اِحداث کی نسبت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح پچھلی حدیث میں نمازِ چاشت مسجد میں پڑھنے پر لفظِ بدعت اِستعمال ہوا تھا۔ اس سے یہ اَمر واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر نئے کام کو ’’کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة‘‘[1] کا وہ مفہوم نہیں لیتے تھے جو آج بعض کم فہم لوگ لیتے ہیں۔ ایسی کسی بھی حدیث پر کوئی بھی حکم لگانے سے قبل اس حدیث کا سیاق و سباق دیکھا جائے، اس کے مرادی معنی، مضمون اور شانِ نزول کو پیشِ نظر رکھا جائے اور اِس اَمر پر غور و خوض کیا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کس تناظر میں کیا واقعہ اور مضمون بیان فرما رہے ہیں۔ اور آپ ﷺ کے فرمان کا منشاء و مقصود کیا ہے؟ لہٰذا جب تک پورے مضمون کو من کل الوجوہ سامنے نہ رکھا جائے اور محض سرسری طور پر اَلفاظ کو پکڑ کر حکم لگا دیا جائے تو گمراہی پیدا ہوگی اور مفہوم کچھ کا کچھ بن جائے گا۔

۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ ابو یعلی، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

اگر لفظِ احداث اور بدعت میں اتنی ہی خرابی ہوتی تو کبھی بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضي الله عنها یہ لفظ حضور ﷺ کے لئے استعمال نہ فرماتیں۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا کا لفظِ احداث حضور ﷺ کے لئے استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بذاتِ خود اس لفظ کے معنی ومفہوم میں کوئی خرابی نہیں بلکہ خرابی اُن لوگوں کے فہمِ اِسلام میں ہے جنہوں نے زبردستی ان الفاظ کو ضلالت و گمراہی کا ہم معنی بنا دیا ہے۔ اگر لفظِ احداث اور بدعت عربی محاورہ میں اَچھے معنوں میں اِستعمال نہ ہوتے تو کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے لئے یہ اَلفاظ استعمال نہ کرتے بلکہ اِرشادِ باری تعالیٰ - لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا[1] - کی تعمیل میں دوسرے متبادل اَلفاظ استعمال کرتے تاکہ بے اَدبی اور گستاخی کا شائبہ نہ رہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ لفظِ اِحداث کتاب وسنت یا عربی اَدب میں ہر جگہ منفی یا ممنوعہ معانی میں اِستعمال نہیں ہوتا بلکہ وہ مشروع، مباح اور جائز معانی میں بھی اِستعمال ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا معنی بُرا کب ہوتا ہے اور اچھا کب؟

امام بدر الدین عینیؒ (۸۵۵ھ) اس اُصول کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان كانت مما يندرج تحت مستحسن فى الشرع فهى بدعة حسنة و ان كانت مما يندرج تحت مستقبح فى الشرع فهى بدعة مستقبحة۔[2]

''اگر یہ بدعت شریعت کے مستحسنات کے تحت آ جائے تو ''بدعت حسنہ'' ہے اور اگر یہ شریعت کے مستقبحات کے تحت آ جائے تو یہ ''بدعت مستقبحة'' ہے۔''

زیرِ بحث حدیثِ مبارکہ میں اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضي الله عنها کا نئے کلمات سن کر حضور ﷺ کو ''يَا رَسُوْلَ اللهِ، ما هٰذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاكَ أَحْدَثْتَهَا

(۱) القرآن، البقرة، ۲:۱۰۴

(۲) عيني، عمدة القاري في شرح صحيح البخاري، ۱۱:۱۲۶

تَقُوْلُهَا؟'' عرض کرنا اور اس کے جواب میں حضور ﷺ کا اس اِحداث کو اِحداثِ حسن یا محدثہ حسنہ قرار دیتے ہوئے اِرشاد فرمانا: ''جُعِلَتْ لِي عَلَامَةٌ فِي أُمَّتِي إِذَا رَأَيْتُهَا قُلْتُهَا'' سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک اچھے اور نئے کام کو شروع کرنا یا اچھی بات اور نئے کلمات کا اجراء کرنا اِحداثِ حسن ہے اور یہ حضور ﷺ کی سنت سے ثابت ہے لہٰذا کوئی نئی ہیئت کی چیز، نیا کام یا نیکی اور خیر پر مبنی نیک کام کو شروع کرنا اور رواج دینا سب حضور ﷺ کی سنت ہیں۔ احادیثِ نبوی ''ما احدث فی امرنا هذا'' اور ''کل محدثه بدعة'' اور اس مفہوم کی دیگر احادیث سے غلط استدلال کرتے ہوئے ہر اِحداث کو ضلالت و گمراہی قرار دینا بذاتِ خود جہالت اور منشاءِ رسول ﷺ کو نہ سمجھنے کے مترادف ہے، کیونکہ بدعتِ حسنہ کے اجراء کی اصل خود حضور ﷺ کی سنت ہے، لہٰذا جو عمل سنتِ رسول ﷺ پر قائم ہو وہ ایک ہو یا ایک ہزار ہوں، وہ سب حسنہ ہوں گے۔ انہیں محض اپنے استدلالِ باطل کی بنا پر بدعتِ سیئہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں جس میں کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی نسبت لفظِ اِحداث اِستعمال کیا اور حضور ﷺ نے اپنے اِس نئے عمل کو محدثۂ حسنہ قرار دیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لفظِ اِحداث کو ضلالت و گمراہی کے مترادف اِستعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اِمام نسائی (۳۰۳ھ) السُّنن الکبریٰ میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا اجْتَمَعَ إِلَيْهِ أَصْحَابُهُ فَأَرَادَ أَنْ يَّنْهَضَ قَالَ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَ أَتُوْبُ إِلَيْكَ عَمِلْتُ سُوْءً اَوْ ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْلِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَا أَنْتَ. فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ هٰذِهِ كَلِمَاتٌ أَحْدَثْتَهُنَّ قَالَ: أَجَلْ جَاءَنِي جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ لِي: يَا مُحَمَّدُ هُنَّ كَفَّارَةُ الْمَجَالِسِ۔[1]

(۱) ۱۔ نسائی، السنن الکبری، ۶: ۱۱۳، رقم: ۱۰۲۰
۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۷۲۱، رقم: ۱۹۷۲

’’صحابہ کرام ﷺ جب حضور نبی اکرم ﷺ کے گرد جمع ہوتے اور آپ ﷺ (مجلس ختم ہونے کے بعد) اُٹھنے لگتے تو فرماتے: ’’اے اللہ! تیرے لئے ہی پاکی ہے اور تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں، برا کیا ہو یا اپنے اوپر ظلم کیا ہو۔ پس تو مجھے بخش دے۔ یقیناً تیرے سوا کوئی بھی گناہ معاف نہیں کرسکتا۔‘‘ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے یہ نئے کلمات پڑھے۔ فرمایا: ہاں! ابھی میرے پاس جبرائیل آئے تھے اور مجھ سے عرض کیا: اے محمد! یہ اَلفاظ مجالس کا کفارہ ہیں۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

۱۔ لفظِ اِحداث میں مطلقاً کوئی قباحت اور خرابی نہیں ہے۔ اسے ضلالت و گمراہی کی طرف منسوب کرنا عملِ صحابہ اور سنتِ صحابہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس کے مفہوم میں کوئی برائی اور خرابی ہوتی تو کبھی بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام ﷺ یہ لفظ حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے استعمال نہ کرتے۔

۲۔ نئے کلمات اور نیک اَعمال کا اِجراء اس نیت کے ساتھ کہ یہ حضور ﷺ کی سنت ہے، جائز ہے۔ اسی کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ صحابہ کرام ﷺ کا بلاتکلف اَعمالِ حسنہ اور افعالِ خیر کے لئے لفظِ اِحداث اور لفظِ بدعت استعمال کرنا اور پھر اِن الفاظ کی حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ ہر اِحداث اور بدعت موجبِ ضلالت و گمراہی نہیں۔

۳۔ منذری، الترغیب و الترھیب، ۲: ۲۶۴، رقم: ۲۳۳۹

۴۔ نسائی، عمل الیوم و اللیلۃ، ۱: ۳۲۰، رقم: ۴۲۷

فصل دوم

تصورِ بدعت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

۱۔ جمعِ قرآن اور شیخین رضی اللہ عنہما کا عمل

۲۔ باجماعت نمازِ تراویح کی اِبتدا

۳۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اَذان

۴۔ قطع ید کی سزا کی معطّلی

۵۔ چور کے قطع ید کی بجائے مالک کو دوگنا قیمت ادا کرنے کا حکم

۶۔ عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز سے روکنا

۷۔ مانعینِ زکوٰۃ سے قتال

۸۔ جرمِ لواطت پر جلانے کی سزا

۹۔ کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت

۱۰۔ مؤلفۃ القلوب کی شق کی معطّلی

۱۱۔ مفتوحہ زمینوں کی تنظیم کے بارے میں فیصلہ

۱۲۔ تاجروں سے عشور کی وصولی

۱۳۔ مجرم کے لے شہر بدری کے حکم کو منسوخ کرنا

۱۴۔ گھوڑوں اور غلاموں پر صدقہ لینے کا حکم

۱۵۔ بیت المال سے وظیفہ کا تقرر

www.MinhajBooks.com

گزشتہ اَبواب میں بدعت کے اِطلاق اور اس کے مفہوم کے بیان سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ لُغوی اِعتبار سے ہر نئی چیز کو **بدعت** کہتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا تصور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار میں بھی موجود تھا یا نہیں؟ اس کی وضاحت کے لئے اِختصار کے پیشِ نظر ہم خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل موضوعِ زیرِ بحث کے حوالے سے بیان کریں گے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُمت کے لئے ان کا عمل ہی سب سے زیادہ مستند و معتبر ہے۔

۱۔ جمعِ قرآن اور شیخین رضی اللہ عنہما کا عمل

امام شاطبیؒ (۷۹۰ھ) اپنی معروف کتاب ''الاعتصام'' میں قرآن کی جمع و تدوین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

انّ أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إتفقوا علی جمع المصحف ولیس تَمَّ نص علی جمعه و کتبه۔ (۱)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے پر متفق ہو گئے حالانکہ قرآن کریم کو جمع کرنے اور لکھنے کے بارے میں ان کے پاس کوئی صریح حکم نہیں تھا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی نیا کام دینی مصالح اور خیر پر مبنی ہو تو اس کو اِختیار کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے اور اسے محض نیا ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ جمعِ

(۱) شاطبی، الاعتصام، ۲: ۱۱۵

قرآن کی تفصیل یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے تو اس وقت جھوٹی نبوت کے دعویدار مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں تقریباً سات سو (۷۰۰) حفاظِ قرآن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر یہ سلسلۂ جہاد وقتال اسی طرح جاری رہا اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کے سینوں میں قرآن حکیم محفوظ ہے شہید ہوتے رہے تو عین ممکن ہے کہ آگے چل کر حفاظتِ قرآن میں خاصی دشواری پیش آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یہ فکر دامن گیر ہوئی تو آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا: یا خلیفة الرسول! حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم جنگوں میں شہید ہوتے جا رہے ہیں، کہیں حفاظتِ قرآن مسلمانوں کے لئے ایک مسئلہ نہ بن جائے۔ اس لئے میری یہ تجویز ہے کہ قرآن کو فوری طور پر ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے، اس طرح اس کی حفاظت کا بہتر اہتمام ہو سکے گا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ جو کام حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ میں کیوں کروں؟ لہٰذا انہوں نے فرمایا:

کیف أفعل شیئا ما لم یفعله رسول الله ﷺ ؟(۱)

''میں ایسا کام کیسے کر سکتا ہوں جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز نگاہیں اس حکمت و مصلحت اور بھلائی کا مشاہدہ کر رہی تھیں جو جمعِ قرآن میں مضمر تھی، لہٰذا انہوں نے جواب دیا: اے امیر المومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا ﷺ نے بوجوہ اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن "ھو واللہ خیر" اللہ کی قسم، ہے بہت اچھا اور بھلائی پر مبنی ہے، لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہئے۔

اس بحث و تمحیص کے دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اِنشراحِ صدر نصیب ہوا اور فرمایا:

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء کم رسول، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲

اے عمر! اللہ تیری قبر کو روشن کرے، تو نے اپنی گفتگو سے میرے سینے کو روشن کر دیا۔ اس حدیث کے راوی حضرت زید بن ثابت انصاری ﷺ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ مجھ سے فرمانے لگے کہ آپ نوجوان اور سمجھدار شخص ہیں۔ علاوہ ازیں آپ چونکہ کاتب وحی رہے ہیں ان تمام وجوہات کی بناء پر ہم آپ ﷺ کو ہی اس کام پر مامور کرتے ہیں لہٰذا آپ قرآن کو مختلف مقامات سے تلاش کر کے ایک جگہ جمع کردیں۔ حضرت زید ﷺ کو جب اتنی بڑی اور نازک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑا تو ابتدائی طور پر ان کے ذہن میں بھی وہی سوالات پیدا ہوئے جو سیدنا صدیق اکبر ﷺ کے ذہن میں اُبھرے تھے، لہٰذا کہنے لگے:

فوالله لو كلفني نقل جبل من الجبال ما كان أثقل عليّ مما أمرني به من جمع القرآن، قلت: كيف تفعلان شيئا؟ لم يفعله النبي ﷺ فقال: أبوبكر هو والله خير۔[1]

''اللہ کی قسم (ابوبکر ﷺ) مجھے اگر ایک پہاڑ کو دوسرے کی جگہ نقل کرنے کی

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء کم رسول، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاحکام، باب یستحب للکاتب أن یکون امیناً عاقلاً، ۶: ۲۶۲۹، رقم: ۶۷۶۸

۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة، ۵: ۲۸۳، رقم: ۳۱۰۳

۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲

۶۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶

۷۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶

۸۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱

۹۔ ابو یعلی، المسند، ۱: ۹۱، رقم: ۹۱

۱۰۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۰، رقم: ۲۲۰۲

تکلیف دیتے تو قرآن کو جمع کرنے سے وہ کام میرے لئے بھاری نہ ہوتا۔ (زید بن ثابت رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے (عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے) عرض کیا آپ وہ کام کس طرح کرتے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے۔''

اس گفتگو کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھی اِنشراحِ صدر نصیب ہوا اور وہ اس کام کے لئے تیار ہوگئے۔ انہوں نے کھجور کی شاخوں، سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کرنا شروع کردیا۔ اس طرح تیار کئے گئے قرآن حکیم کے چند نسخے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد اُم المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ ہوگئے تھے۔ بعد ازاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سے وہ نسخے منگوا کر قرآن حکیم کو دوبارہ موجودہ ترتیب میں یک جا کردیا۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں اَہم بات یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ ''کیف تفعلان شیئاً لم یفعله النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس کام کے بدعت (نیا کام) ہونے کا انکار کیا ہے بلکہ ان کے سوال کے جواب میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ دہرائے کہ ''ھو واللہ خیر''۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر وہ کام جو مبنی بر حکمت و مصلحت ہو اور احکامِ شریعت سے متعارض و متناقض بھی نہ ہو وہ بلاشک وشبہ مباح، جائز اور مشروع ہے اور ایسے اُمور کا بجالانا سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہے۔

۲۔ باجماعت نمازِ تراویح کی ابتدا

جمع و تدوین قرآن کی طرح باجماعت نمازِ تراویح کا یہ عمل بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان کی تعمیل میں باقاعدہ وجود پذیر ہوا۔ لفظِ بدعت کے مثبت اِستعمال کی اِس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے باجماعت نمازِ تراویح جیسی مقدس عبادت کو ''نعم البدعة'' کہا ہے۔ اَحادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور نبی

اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں رمضان المبارک میں تین راتیں نماز تراویح با جماعت پڑھائی۔ اس کے بعد فرض ہوجانے کے خوف سے آپ ﷺ ساری زندگی گھر میں ہی پڑھتے رہے اور تمام صحابہ کرام ﷺ بھی اِنفرادی طور پر اپنی اپنی نماز پڑھ لیتے۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک کے بعد سیدنا صدیق اکبر ﷺ کے اڑھائی سالہ دورِ خلافت میں بھی صحابہ کرام ﷺ کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا عمر بن الخطاب ﷺ کا دورِ خلافت آیا اور آپ نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں لوگ مختلف شکلوں میں نمازِ تراویح ادا کر رہے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اندر مساجد کو آباد کرنے کا ذوق بھی کم ہوسکتا ہے اور اگر صورتحال یہی رہی تو عین ممکن ہے کسی وقت لوگ نماز تراویح پڑھنا ہی ترک کر دیں، چنانچہ ''صحیح بخاری'' میں حضرت عبد الرحمٰن ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس قصد کو پختہ فرما کر سب کو حضرت اُبی بن کعب ﷺ کے پیچھے جو حافظِ قرآن تھے نماز تراویح جماعت سے پڑھنے کے لئے مجتمع کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں:

خرجت مع عمر بن الخطاب ﷺ ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه و يصلي الرجل فيصلي بصلا ته الرهط، فقال عمر: إني أرى لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبي بن كعب ثم خرجت معه ليلة أُخرى والنّاس يصلون بصلوة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه والتي ينامون عنها أفضل من التي يقومون يريد آخر الليل و كان الناس يقومون أوّله۔[1]

''میں حضرت عمر ﷺ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو لوگ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶

متفرق تھے ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک آدمی گروہ کے ساتھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کردیا جائے تو اچھا ہوگا، پس آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے سب کو جمع کردیا۔ پھر میں دوسری رات کو ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔‘‘

اس روایت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود ’’نعم البدعة هذه‘‘ فرما کر بدعت کی تقسیم فرما دی اور یہ ثابت کر دیا کہ ہر بدعت، بدعت سیئہ نہیں ہوتی بلکہ بے شمار بدعات حسنہ بھی ہوتی ہیں وگرنہ آج تک امت مسلمہ کے جو افراد رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں مساجد میں نماز تراویح کی صورت میں اکٹھے ہوکر قرآن سنتے ہیں یہ بھی ناجائز ہوتا مگر ہمیشہ یہ امر مستحسن رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم مبنی بر حدیث ہے یہ محض قیاسی تقسیم نہیں بلکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول پر قائم ہے۔ **علامہ ابن اثیر جزریؒ** (۶۰۶ھ) نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

ومن هذا النوع قول عمر رضی اللہ عنہ: نِعمت البدعة هذه[1] لمَّا كانت من أفعال الخير وداخلة في حيز المدح سماها بدعة ومدحها؛ لأن

۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بيهقي، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶

النبی ﷺ لم یسُنَّها لهم، و إنما صلّاها لیالی ثم ترکها ولم یحافظ علیها، ولا جمع الناس لها، ولا کانت فی زمن أبی بکر، وإنما عمر ﷺ جمع الناس علیها و ندبهم إلیها، فبهذا سمّاها بدعة، وهی علی الحقیقة سنَّة، لقوله ﷺ علیکم بسنَّتی و سنَّة الخلفاء الراشدین من بعدی[1] وقوله اقتدوا بالذین من بعدی أبی بکر و عمر[2] و علی هذا التأویل یحمل الحدیث الآخر (کل محدثة بدعة[3] إنما یرید ما خالف أصول الشریعة ولم یوافق

------ ۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۳۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بیهقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۳۵

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۶۷۲، رقم: ۳۸۰۵

(۳) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

السُّنَّة۔(۱)

’’اور اِسی قسم (یعنی بدعتِ حسنہ) میں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول ’’نعمت البدعة هذه‘‘ ہے پس جب کوئی کام افعالِ خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے (لُغوی اعتبار سے) بدعت کہا جائے گا اور اس کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس (باجماعت نماز تراویح کے) عمل کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر (باجماعت پڑھنا) ترک کر دیا اور (بعد میں) اس پر محافظت فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا۔ اس کے بعد نہ ہی یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں (باجماعت) پڑھی گئی۔ پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (اپنے دور میں) لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول – عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين من بعدي – اور اس فرمان – اقتدوا بالّذين من بعدي من أصحابي أبي بكر و عمر – کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث ’’كل محدثة بدعة‘‘ کو اُصولِ شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔‘‘

امام قرطبیؒ (۶۷۱ھ) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے باجماعت نمازِ تراویح شروع کروانے کے اس نئے عمل کو بدعتِ محمودہ اور بدعتِ ممدوحہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و يَعْضُدُ هذا قول عمر رضی اللہ عنہ: نعمت البدعة هذه؛ لما كانت من أفعال الخير و داخلة في حيز المدح، وهي وإن كان النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

------ ۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۱) ابن أثير جزري، النهاية، في غريب الحديث والأثر، ۱: ۱۰۶

قد صلاها إلا أنه ترکها ولم یحافظ علیها، ولا جمع الناس علیها؛ فمحافظة عمر رضی اللہ عنہ، علیها وجمع الناس لها، وندبهم إلیها، بدعة لکنها بدعة محمودة ممدوحة. وإن کانت فی خلاف ما أمر الله به ورسوله فهی فی حیّز الذم والإنکار؛ قال معناه الخطابی و غیره قلت: وهو معنی قوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی خطبته: "وشَرُّ الأمور محدثاتها وکل بدعة ضلالة"،(۱) یرید مالم یوافق کتابا أو سنة، أو عمل الصحابة رضی اللہ عنہم، وقد بین هذا بقوله: "مَنْ سَنّ فِی الإسلام سُنَّةً حسنة کان له أجرها و أجر من عمل بها من بعده من غیر أن ینقص من أجورهم شیء ومَن سنّ فی الإسلام سُنَّةً سیئة کان علیه وزرُها ووزر من عمل بها من بعده من غیر أن ینقص من أوزارهم شیء". (۲) وهذا إشارة إلی ما ابتدع من قبیح و حسن۔ (۳)

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، باب اجتناب البدع الجدل، ۱: ۱۸، رقم: ۴۶
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۸۶، رقم: ۱۰
۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹: ۹۶، رقم: ۸۵۱۸
۴۔ ابویعلی، المسند، ۴: ۸۵، رقم: ۲۱۱۱
۵۔ دیلمی، المسند الفردوس، ۱: ۳۸۰، رقم: ۱۵۲۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکوٰة، باب الحث علی الصدقه، ۲: ۷۰۵، رقم: ۱۰۱۷
۲۔ نسائی، السنن، کتاب الزکاة، باب التحریض علی الصدقه، ۵: ۵۵، ۵۶، رقم: ۲۵۵۴
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سیئة، ۱: ۷۴، رقم: ۲۰۳
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸

(۳) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۲: ۸۷

’’اور یہ (باجماعت نمازِ تراویح کا) عمل حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے قول - نعمت البدعة هذه - کو تقویت دیتا ہے جو کہ اچھے کاموں میں سے تھا۔ وہ (اَعمال) محمود کاموں میں داخل ہیں اور وہ یہ ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ تراویح کو پڑھا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے (باجماعت) ترک کر دیا اور اس کی محافظت نہیں فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا، پس (بعد میں مصلحتِ وقت کے تحت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس (نمازِ تراویح) کی محافظت کی اور لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا اور انہوں نے لوگوں کو اس کی ترغیب دی تو وہ بدعت ہوئی لیکن بدعتِ محمودہ اور ممدوحہ ہے اور اگر وہ بدعت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے خلاف ہو تو وہ مقام ذم میں ہوگی اور یہ معنی خطابی اور دیگر نے بھی کیا ہے تو اِمام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہی معنی آقا علیہ السلام کے خطبہ سے بھی ثابت ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ’’وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة‘‘ اور اس سے مراد وہ کام ہے جو کتاب وسنت اور عمل صحابہ کے موافق نہ ہو اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ’’جس نے اسلام میں کسی اچھی چیز کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی اسے ملے گا اور ان کے اجر میں ذرّہ برابر بھی کمی نہیں ہوگی اور جس کسی نے اسلام میں کسی بری چیز کی ابتداء کی تو اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہوگا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کی برائی کا وبال بھی اس پر ہوگا اور ان کے وبال میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی‘‘ اور یہ اشارہ اس کی طرف ہے جس نے کسی اچھے یا برے کام کی ابتداء کی۔‘‘

۳۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اَذان

نماز جمعہ سے پہلے مساجد میں دوسری اَذان جو وعظ سے پہلے پڑھی جاتی ہے،

اس کا آغاز عہدِ عثمانی میں ہوا۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

أن التأذين الثاني يوم الجمعة أمر به عثمان بن عفّان حين كثر أهل المسجد۔(۱)

''جمعہ کے دن دوسری اذان (یعنی وہ اَذان جو وعظ سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ یہ ترتیب میں پہلی اَذان ہے۔) کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔''

امام ابن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

قال الأذان الاول يوم الجمعة بدعة۔(۲)

''ابن عمرؓ نے کہا کہ جمعہ کی پہلی اذان (یعنی وہ اَذان جو وعظ سے پہلے پڑھی جاتی ہے) بدعت ہے''

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فيحتمل ان يكون قال ذلک علی سبيل الانكار، و يحتمل انه

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعه، باب الجلوس علی المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳
۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲
۳۔ وادیاشی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴
۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۳: ۳۲۳

(۲) ۱۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۱: ۴۷۰، رقم: ۵۴۳۷
۲۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۳۹۴

يريد انه لم يكن فی زمن النبی ﷺ و كل ما لم يكن فی زمنه يسمی بدعة، لكن منها ما يكون حسنا و منها ما يكون بخلاف ذلک و تبين بما مضی ان عثمان أحدثه لاعلام الناس بدخول وقت الصلاة قياسا علی بقية الصلوات فالحق الجمعة بها و أبقی خصوصيتها بالاذان بين يدی الخطيب، و فيه استنباط معنی من الاصل لا يبطله۔[1]

''ایک احتمال یہ ہے کہ یہ فرمان علی سبیل انکار ہو اور ایک احتمال یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ یہ عمل عہدِ رسالت مآب ﷺ میں نہیں تھا اور ہر وہ عمل جو دورِ نبوی میں نہ ہو اسے بدعت کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان اَعمال میں سے کچھ اچھے ہوتے ہیں اور کچھ اِس کے برخلاف۔ سابقہ بحث میں وضاحت ہوچکی ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے (زائد اَذان کا) یہ عمل دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے لوگوں کو وقتِ صلوٰۃ کے آغاز کی اطلاع دینے کے لئے شروع کیا اور جمعہ کو اِس (اَذان) سے مختص کردیا او اِس اَذان کو خطیب کے سامنے دینے کی خصوصیت کو بھی باقی رکھا۔ اس سے یہ اِستنباط ہوتا ہے کہ یہ عمل معناً اَصل ہے اِس کا اِبطال نہیں کیا جائے گا۔''

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه، و أقرّه عليٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروی عن ابن عمر أنه

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۳۹۴

قال: هو بدعة[1] ولعله أراد ما أراد أبوه في قيام شهر رمضان۔[2]

''اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کو حضرت عثمان غنی ﷺ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر زیادہ کیا اور پھر حضرت علی ﷺ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا اور ابن عمر ﷺ سے مروی ہے کہ (آپ نے جمعہ کی دوسری اذان کے بارے میں فرمایا کہ) وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد کی قیامِ رمضان کے بارے میں تھی''

۴۔ قطعِ ید کی سزا کی معطّلی

اِسلام میں چوری کی سزا قطع ید ہے۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والسّارق والسّارقة فاقطعوا أيديهما۔[3]

''اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

حضرت عمر فاروق ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی جب معاملہ خلیفہء وقت حضرت عمر ﷺ کے پاس گیا تو آپ نے اس شخص کے ہاتھ کو کاٹنے سے منع کر دیا۔ امام ابن أبي شيبه (۲۳۵ھ) اس واقعہ کی تفصیل نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ان رجلا سرق من بيت المال فكتب فيه سعد الى عمر فكتب عمر إلى سعد ليس عليه قطع له فيه نصيب۔[4]

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۱: ۴۷۰، رقم: ۵۴۳۷
۲۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۳۹۴
(۲) ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۳: ۲۵۲
(۳) المائدہ، ۵:۳۸
(۴) ابن ابی شیبه، المصنف، ۱۵: ۵۱۸، رقم: ۲۸۵۶۳

’’ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی۔ حضرت سعد ﷺ نے سیدنا عمر فاروق ﷺ کو اس بارے میں لکھا تو حضرت عمر فاروق ﷺ نے سعد کو لکھا کہ اس پر قطع ید نہیں ہے، کیونکہ بیت المال میں اس کا حصہ بھی ہے۔‘‘

امام مالکؒ (۱۷۹ھ) ’’مؤطا‘‘ میں **کتاب الحدود** کے **باب ما لا قطع فیه** کے ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو الحضرمی اپنے ایک غلام کو حضرت عمر فاروق ﷺ کے پاس لے گئے اور کہا:

إِقْطَعْ يَدَ غُلَامِي هٰذا فَإِنَّهُ سَرَقَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَاذَا سَرَقَ؟ فَقَالَ سَرَقَ مِرْأَةً لِإِمْرَأَتِي ثَمَنُهَا سِتُّونَ دِرْهَمًا فَقَالَ عُمَرُ: أَرْسِلْهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَطْعٌ خَادِمُكُمْ سَرَقَ مَتَاعَكُمْ۔ (۱)

’’میرے اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیجئے کیوں کہ اس نے چوری کی ہے۔ حضرت عمر ﷺ نے ان سے فرمایا کہ چرایا کیا ہے؟ کہا کہ میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے۔ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ تمہارے ہی خادم نے تمہارے مال کی چوری کی ہے۔‘‘

۵۔ چور کے قطعِ ید کی بجائے مالک کو دوگنا قیمت ادا کرنے کرنے کا حکم

اگرچہ اِسلام میں چوری کی سزا قطع ید ہے مگر حضرت عمر فاروق ﷺ نے ایک موقع پر سیاستِ شرعیہ کے تحت بھوک کی وجہ سے چوری کرنے والے غلام کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے اس کے مالک کو دوگنی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا، واقعہ کی تفصیلات کچھ یوں ہیں: حاطب بن ابی بلتعه کے غلاموں نے قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کی اُونٹنی چرا

(۱) مالك، المؤطا، كتاب الحدود، باب مالا قطع فيه، ۲: ۸۳۹، رقم: ۱۵۲۸

لی۔ ان غلاموں کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے چوری کا اقرار کرلیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کثیر بن صلت کو حکم دیا کہ ان غلاموں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ کثیر جب حکم کی تعمیل کے لیے غلاموں کے پاس گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان غلاموں کو واپس بلا لیا اور فرمایا:

لو لا إنی أظن أنکم تجیعونهم حتی ان احدهم أتی ما حرم الله عزوجل لقطعت ایدیهم۔(۱)

''اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ تم لوگ غلاموں (سے خوب کام لیتے ہو اور ان) کو بھوکا رکھتے ہو یہاں تک کہ اگر کوئی مجبور ہوکر حرام چیز کھالے تو وہ حلال ہوجائے تو میں یقیناً ان کے ہاتھ کاٹ ڈالتا۔''

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزنی سے فرمایا کہ اونٹنی کی کیا قیمت ہو گی؟ انہوں نے جواب دیا چار سو درہم، پھر آپ نے غلاموں کے آقا حاطب کو آٹھ سو درہم ادا کرنے کا حکم دیا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (۲۴۱ھ) سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ لوگ بھوک سے دوچار ہوں، اور کوئی شخص مجبور ہوکر چوری کرے تو کیا اس وقت بھی آپ قطع ید کا حکم دیں گے؟ جواب میں فرمایا:

لا أقطعه اذا حملته الحاجة و الناس فی شدة و مجاعة۔(۲)

''جب اس کو حاجت مجبور کرے اور لوگ بھوک و سختی کے دور سے گزر رہے ہوں تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زمانۂ قحط میں بھی ہاتھ کاٹنے سے منع فرما دیا۔ آپ

(۱) بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۲۷۸

(۲) ابن قدامه المقدسی، المغنی، ۹: ۱۱۸

نے فرمایا:

لا قطع فی عام سنة۔ (۱)

’’زمانۂ قحط میں قطع ید نہیں ہوگا۔‘‘

۶۔ عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز سے روکنا

حضور ﷺ کے عہدِ مبارک میں خواتین بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ مردوں کے پیچھے کھڑی ہو کر باجماعت نماز میں شریک ہوتی تھیں۔ ’’صحیح بخاری‘‘ میں روایت ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كُنَّ نِسَآءُ الْمُؤمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ، مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ ، ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلٰى بُيُوتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلَاةَ، لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ۔ (۲)

’’ہم مسلمانوں کی عورتیں حضور علیہ السلام کے ساتھ نمازِ فجر میں شامل ہونے کی خاطر چادروں میں لپٹی ہوئی حاضر ہوا کرتی تھیں جب نماز سے فارغ ہو جاتیں تو اپنے گھروں کو واپس آ جاتیں اور اندھیرے کے باعث کوئی بھی انھیں پہچان نہیں سکتا تھا۔‘‘

اِمتدادِ زمانہ کی وجہ سے جب حالات بدل گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے عورتوں کا مردوں کے ساتھ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا بند کر دیا۔

(۱) ابن قدامه المقدسی، المغنی، ۹: ۱۱۸

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب مواقیت الصلاة، باب وقت الفجر، ۱: ۲۱۰، رقم: ۵۵۳

۷۔ مانعینِ زکوٰۃ سے قتال

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے اِنکار کر دیا۔ چناں چہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت ایسے لوگوں سے قتال کا حکم دیا جو مرکز کو زکوٰۃ ادا کرنے سے اِنکاری تھے۔ اگرچہ اِبتداءً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس معاملے میں خلیفۂ وقت سے اِختلاف کیا لیکن جب انہیں بھی اِنشراحِ صدر نصیب ہوا تو انہوں نے کہا کہ حق وہی ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ ’’صحیح بخاری‘‘ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس واقعہ کی تفصیل کچھ یوں ہے:

لما توفی رسول اللہ ﷺ وکان أبوبکر رضی اللہ عنہ وکفر من کفر من العرب، فقال عمر رضی اللہ عنہ: کیف تقاتل الناس؟ و قد قال رسول اللہ ﷺ: ’’أُمرت أن أُقاتل الناس حتی یقولوا: لا الہ الا اللہ، فمن قالھا فقد عصم منی مالہ و نفسہ إلا بحقہ، و حسابہ علی اللہ‘‘ فقال واللہ لَأُ قاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکوۃ، فان الزکوۃ حق المال، واللہ لو منعونی عناقا کانوا یؤدونھا الی رسول اللہ ﷺ لقاتلتھم علی منعھا. قال عمر رضی اللہ عنہ: فواللہ ما ھو الا ان قد شرح اللہ صدر أبی بکر رضی اللہ عنہ: فعرفت انہ الحق۔ (۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ، ۲: ۵۰۷، رقم: ۱۳۳۵

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ، ۶: ۲۶۵۷، رقم: ۶۸۵۵

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ إلا اللہ، ۱: ۵۱، رقم: ۲۰

۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب أمرت أن أقاتل، ۵: ۳، رقم: ۲۶۰۷

’’جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو عرب میں بعض قبائل مرتد ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ کہیں ’’نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جس نے یہ کہہ لیا اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے بچالی مگر حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ لے گا۔‘‘ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں ان سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں، کیونکہ زکوٰۃ مالی حق ہے۔ خدا کی قسم اگر انہوں نے رسی بھی روکی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے تو میں اس کے روکنے پر بھی ان سے لڑوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا اور انہوں نے جان لیا کہ حق یہی ہے۔‘‘

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) بیان کرتے ہیں کہ اِبتدائی طور پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر حیرت ہوئی اور اِسے اُنہوں نے اَمر رسول کے خلاف سمجھتے ہوئے خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا:

يا خليفة رسول الله تألّف النّاس وارفُق بهم فإنّهم بمنزلة الوحش.

’’اے خلیفۂ رسول ﷺ تالیفِ قلب کے لیے لوگوں پر نرمی فرمائیے کیوں کہ یہ جانوروں کی مانند ہیں۔‘‘

۵۔ ابو داود، السنن، کتاب الزکاۃ، باب وجوبها، ۲: ۹۳، رقم: ۱۵۵۶

۶۔ نسائی، السنن، کتاب الزکاۃ، باب مانع الزکاۃ، ۵: ۱۴، رقم: ۲۴۴۳

۷۔ نسائی، السنن الکبری، ۲: ۲۸۰، رقم: ۳۴۳۲، ۳۴۳۵

۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۷، رقم: ۳۳۵

۹۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۴۵۰، رقم: ۲۱۷

۱۰۔ عبدالرزاق، المصنف، ۴: ۴۴، رقم: ۶۹۱۶

یہ سن کر خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

واللہ لأجاهدنّهم ما استمسک السيف في يدی، و إن منعونی عِقَالاً۔(۱)

''جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے بخدا زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد کروں گا یہاں تک کہ اگر مجھے اُونٹ کی نکیل دینے سے بھی اِنکار کریں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حکمت و دانش دیکھ کر حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا:

فوجدته في ذلک أمضی منی و أحزم و آدب النّاس علی أمور.(۲)

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو میں نے اس معاملہ میں اپنے سے بھی زیادہ مستعد تیار اور اَحکام جاری کرنے والا پایا ہے''۔

۸۔ جرمِ بدفعلی پر جلانے کی سزا

کسی فعلِ شنیع کو ختم کرنے اور اس کے اَثراتِ بد سے سماج کو بچانے کے لئے تعزیراً سخت سے سخت سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لواطت کے ایک عادی مجرم کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ **علامہ ابن حزم ظاہری** (۴۵۶ھ) اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کے بارے میں لکھ کر بھیجا کہ

أنّه وجد في بعض سواحل البحر رجلاً ينكح كما تنكح المرء ة.

''ساحلِ سمندر کے ایک علاقے میں ایک ایسا شخص ہے جس سے عورت جیسا فعل کیا جاتا ہے۔''

(۱) ہیثمی، مجمع الزوائد، ٦: ٢٢٠

(۲) سیوطی، تاریخ الخلفاء: ٧٢

صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کے بعد انہوں نے یہ جواب دیا:

أن أحرقه بالنّار۔[1]

''اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔''

۹۔ کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ حالات و زمانہ کے بدلنے اور گردشِ زمانہ سے نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان بدلے ہوئے حالات میں اگر منصوص اَحکام کے ظاہر پر ہی اُمورِ حیات کو موقوف رکھا جائے اور اَحکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت کو نظر انداز کر دیا جائے تو لوگ سخت مشکلات میں مبتلا ہو جائیں گے۔ نصوصِ شرعیہ سے یقیناً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آگاہ تھے مگر تغیر پذیر حالات سے پیدا ہونے والے مسائل سے نپٹنے کے لیے اُنہوں نے حالات کی رعایت کے تحت مناسب تدابیر اِختیار کی تھیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے اِس مسئلے پر غور کریں کہ قرآن میں ہر کتابیہ عورت سے نکاح کی اِجازت موجود ہے۔ سورہ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ۔[2]

''اور (اسی طرح) پاکدامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں میں سے پاکدامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتب دی گئی تھی۔ (تمہارے لیے حلال ہیں) جب کہ تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو (مگر شرط) یہ کہ تم (انہیں) قید نکاح میں لانے

(۱) ۱۔ ابن حزم ظاہری، المحلی، ۱۱: ۳۸۱
۲۔ شوکانی، نیل الأطار، ۷: ۲۸۷
(۲) القرآن، المائدہ، ۵: ۵

والے (عفت شعار) بنو، نہ کہ (محض ہوس رانی کی خاطر) اعلانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے۔‘‘

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت کر دی۔ اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے **امام ابوبکر جصاصؒ** (۳۷۰ھ) نے یہ واقعہ نقل کیا ہے:

’’حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ سے نکاح کرلیا، جب اس کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے اس سے علیحدگی کا حکم دیا۔ حضرت حذیفہ نے لکھا کہ کیا وہ حرام ہے؟ اس پر عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں حرام تو نہیں کہتا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ بدکار عورتوں کے جال میں پھنس جاؤ گے۔‘‘(۱)

۱۰۔ مؤلّفۃ القلوب کی شق کی معطّلی

تالیفِ قلب کے لئے زکوٰۃ دینے کا ثبوت قرآن حکم میں موجود ہے، سورہ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ۔ (۲)

’’(بے شک صدقات) ایسے لوگوں کے لیے (بھی) ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو۔‘‘

کمزور ایمان والوں کو زکوٰۃ کی مد سے دینا خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عیینۃ بن حصن رضی اللہ عنہ اور اَقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو مالِ زکوٰۃ بطورِ تالیفِ قلب دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ:

(۱) اَبوبکر جصاص، احکام القرآن، ۲: ۳۲۴

(۲) القرآن، التوبہ، ۹: ۶۰

أنّ رسول الله ﷺ كان يتالّفكما و الإسلام يومئذ قليل و أن الله قد أغنى الاسلام إذهبا فاجهدا جهدكما۔ (۱)

’’رسول اللہ ﷺ تم دونوں کی اس وقت تالیف کیا کرتے تھے جب کہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تعداد میں کم تھے اب اللہ نے اسلام کو غنی کر دیا ہے تم لوگ جاؤ اور اپنی مالی جد و جہد کرو۔‘‘

عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ اور اَقرع بن حابس رضی اللہ عنہ دونوں صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ اے خلیفہء رسول! ہمارے یہاں ایک بنجر زمین کا ٹکڑا ہے، جس میں نہ گھاس اُگتا ہے اور نہ کوئی آبادی ہے۔ اگر آپ یہ زمین ہمیں دے دیں تو شاید ہم اس میں کاشت اور زراعت کر لیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں وہ زمین دے دی اور ایک تحریر بھی لکھ دی۔ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور نے عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان صاحب یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی اس معاملہ میں کوئی دخل ہوگا، اس لیے یہ تحریر ان کو پڑھا دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحریر پڑھی تو کہا کہ کیا سب لوگوں کو چھوڑ کر یہ صرف تمہارے لیے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر مٹا دی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب آپ دونوں کی تالیف قلب کرتے تھے اس وقت اسلام کمزور تھا۔ جاؤ اور اب تم دونوں اپنی کوشش سے کماؤ۔ (۲)

تالیفِ قلب کے لیے زکوٰۃ دینے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مؤلفۃ القلوب کی زکوٰۃ سے مدد کرنا اس وقت ضروری تھا جب مسلمان کمزور تھے اور اس تالیف کا مقصد یہ تھا کہ ان کے شر سے بچا جائے اور ان کے قلوب کو مانوس کیا جائے۔

(۱) أبو بکر جصاص، احکام القرآن، ۳: ۲۴

(۲) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۲۰

۲۔ ابن سلام، کتاب الاموال: ۲۷۶

۳۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۴: ۲۱۵

لیکن اب جب کہ مسلمان کثیر تعداد میں ہیں اور انہیں قوت و عزت حاصل ہے، تو اب کسی شخص کو تالیفِ قلب کی غرض سے مالِ زکوٰۃ میں سے دینا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ کفار کے شر سے مسلمانوں کو تحفظ دلانے کے لیے ہو یا نومسلم لوگوں کا دل موہنے کے لیے، دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔ (۱)

ابن قدامہ مقدسیؒ (۶۲۰ھ) نے ذکر کیا ہے کہ ایک مشرک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ مال لینے آیا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے نہیں دیا اور فرمایا کہ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔ اس روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

أن مشرکا جاء یلتمس من عمر مالا فلم یعطه وقال من شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ (۲)

''ایک مشرک مال لینے کی غرض سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے عطا نہ کیا اور فرمایا اَب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔''

۱۱۔ مفتوحہ زمینوں کی تنظیم کے بارے میں فیصلہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارکہ میں مفتوحہ زمینوں کی تنظیم و تقسیم کے دو طریق رائج تھے:

۱۔ مفتوحہ زمین فوجیوں میں تقسیم کر دی جاتی۔

۲۔ اَصل باشندوں کے پاس رہنے دیا جاتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مفادِ عامہ کی خاطر اس نظام کو وسعت دی۔ عراق اور شام فتح ہونے کے بعد مفتوحہ زمین اور جائیداد کے بارے میں مشورہ ہوا تو حضرت عمر

(۱) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۸: ۱۸۱

(۲) ابن قدامہ، المغنی، ۶: ۳۲۷

ﷺ نے اپنی تجویز دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

’’یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں یہ زمین آپ لوگوں میں تقسیم کر دوں اور بعد میں آنے والے لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ دوں کہ اُن کا اس میں کچھ حصہ نہ رہے۔ کیا آپ لوگوں کا یہ مقصد ہے کہ اس کی آمدنی ایک محدود طبقہ میں سمٹ کر رہ جائے اور نسلاً بعد نسلاً اسی طبقہ میں منتقل ہوتی رہے۔ اگر میں نے ایسا کر دیا تو سرحدوں کی حفاظت کس مال سے کی جائے گی؟ بیواؤں اور حاجت مندوں کی کفالت کہاں سے ہوگی؟‘‘

اگرچہ اس تجویز کی مخالفت بعض اکابر صحابہ کرام ﷺ مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت بلال ﷺ وغیرہ کی طرف سے ہوئی لیکن حضرت عمر ﷺ کے معقول اِستدلال کے بعد صحابہ کی بھاری اکثریت نے حضرت عمر ﷺ کی تجویز کی حمایت کی۔ سیدنا علی ﷺ نے اپنی تجویز دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

دعهم يكونون مادة للمسلمين فتركهم۔(۱)

’’زمین کو اس حالت پر چھوڑ دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے لئے مستقل آمدنی کا کام دے لہٰذا زمین کو (اس مقصد کے لئے) چھوڑ دیا گیا۔‘‘

۱۲۔ تاجروں سے عشور کی وصولی

عہدِ فاروقی سے قبل تجارتی ٹیکس (چونگی) کا کوئی نظام نہیں تھا۔ حضرت عمر ﷺ

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۱۳۴
۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۲۲۴
۳۔ عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ۸: ۱۹۵
۴۔ حموی، معجم البلدان، ۳: ۲۷۵
۵۔ شوکانی، نیل الاوطار شرح منتقیٰ الاخبار، ۸: ۱۶۲

نے بدلتے ہوئے حالات اور بین الاقوامی تقاضوں کے تحت عشور کا نظام قائم کیا۔ زیاد بن حدیر اسدی بیان کرتے ہیں کہ میں پہلا شخص ہوں جسے عراق اور شام پر عشور وصول کرنے کے لیے مقرر کیا گیا، چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں:

بعثني عمر علی العشور وأمرني أن لا أفتش أحداً۔ (۱)

''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھے عشور وصول کرنے کے لیے بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں کسی کی تلاشی نہ لوں۔''

عشور وصول کرنے کے فیصلے کا محرک یہ تھا کہ جب مسلمان دوسرے ممالک میں تجارت کی غرض سے جاتے تو ان سے دس فی صد تجارتی ٹیکس لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی تجارتی ٹیکس مقرر کر دیا لیکن ٹیکس کی رقم میں حسبِ حال تفاوت کو ملحوظ رکھا گیا۔ مثلاً حربیوں سے دس فی صد، ذمیوں سے پانچ فصد اور مسلمانوں سے ڈھائی فی صد وصول کیا جاتا تھا۔ مزید برآں کسی قسم کی زیادتی اور سامان کی تلاشی سے بھی منع کر دیا گیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) ''تلخیص الحبیر'' میں زیاد بن حدیر کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

استعملني عمر الخطاب علی العشور وأمرني أن آخذ من تجار أهل الحرب العشر و من تجار أهل الذمة نصف العشر و من تجار المسلمين ربع العشر۔ (۲)

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے عشور کی وصولی کے لیے عامل بنا کر بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں حربی تجار سے دس فی صد، ذمیوں سے پانچ فصد اور

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۴: ۲۱۶، رقم: ۱۰۵۷۲
۲۔ عظیم آبادی، عون المعبود، ۸: ۲۰۹

(۲) ابن حجر عسقلانی، **تلخیص الحبیر**، ۴: ۱۲۸

مسلمانوں سے ڈھائی فی صد وصول کروں‘‘

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دین میں ہر نیا عمل ناجائز وحرام نہیں ہوتا بلکہ مصلحتِ وقت اور ضرورتِ زمانہ کے تحت بے شمار اُمور مباح، جائز اور مشروع ہوتے ہیں۔

۱۳۔ مجرم کے لئے شہر بدری کے حکم کی منسوخی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زانی غیر شادی شدہ کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کا حکم دیا ہے۔ ’’صحیح بخاری‘‘ کی کتاب المحاربین میں ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے زنا کے مرتکب بیٹے کا معاملہ لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا: اقض بيننا بكتاب الله کہ یا رسول اللہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بیٹے کی سزا سناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وعلى إبنک جلد مائة وتغريب عام۔ (۱)

’’تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے، نیز ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا۔‘‘

جلاوطنی کے حکم کو معطل کرنے کی تفصیل یہ ہے کہ جب ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب پینے کے جرم میں سزا ہوئی اور اس کو شہر بدر کیا گیا تو وہ عیسائی ہوگیا اور رومیوں سے جا کر مل گیا۔ اس واقعہ کو امام نسائی (۳۰۳ھ) نے اپنی ’’السنن‘‘ میں روایت کیا ہے۔ حضرت سعید بن مسیّب بیان کرتے ہیں:

غرب عمر ربيعة ابن أُميّة فی الخمر إلی خيبر فلحق بهرقل

(۱) بخاری، الصحيح، کتاب المحاربين، باب الاعتراف بالزنا، ۶: ۲۵۰۲، رقم: ۶۴۴۰

فتنصر فقال عمر لا غرب بعده مسلما۔[۱]

''حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ربیعہ بن اُمیہ کو شراب پینے کی وجہ سے خیبر کی طرف ملک بدر کر دیا۔ وہ بادشاہِ روم ہرقل کے پاس چلا گیا اور عیسائی ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج کے بعد میں کسی شخص کو جلا وطن نہیں کروں گا۔''

۱۴۔ گھوڑوں اور غلاموں پر صدقہ لینے کا حکم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑوں پر صدقہ مقرر نہیں فرمایا تھا۔ **امام بخاری** (۲۵۶ھ) اپنی ''**الصحیح**'' میں **کتاب الزکوٰۃ، باب لیس علی المسلم فی فرسه صدقة** میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لیس علی المسلم فی فرسه وغلامه صدقة۔[۲]

''مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ نہیں ہے۔''

اسی طرح امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) أبواب الزکوة میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قَدْ عَفَوْتُ عَنْ صَدَقَةِ الخَيْلِ والرّقيق۔[۳]

''میں نے تم سے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی۔''

(۱) نسائی، السنن، کتاب الاشربة، باب تغریب شارب الخمر، ۸: ۳۱۹، رقم: ۵۶۷۶

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الزکوة، باب لیس علی المسلم فی فرسه صدقة، ۲: ۵۳۲، رقم: ۱۳۹۴

(۳) ترمذی، السنن، ابواب الزکوة، باب ماجاء فی زکوة الذهب والورق، ۳: ۱۶، رقم: ۶۲۰

لیکن اِسلامی مملکت میں جب تجارت اور افزائشِ نسل کے لیے گھوڑوں کی کثرت ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی خواہش اور صحابہ کے مشورہ کے بعد ان پر صدقہ مقرر کر دیا۔ **امام ابوجعفر طحاویؒ** (۳۲۱ھ) ''شرح معانی الآثار'' میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت حارثہ بن مضرب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حججت مع عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ، فأتاه أشراف من أشراف أهل الشام، فقالوا: يا أمير المؤمنين، إنا قد أصبنا دوابّ و أموالاً، فخذ من أموالنا صدقة تطهرنا بها، و تكون لنا زكاة. فقال: هذا شيء لم يفعله اللذان كانا قبلي، و لكن انتظروا حتى أسأل المسلمين، فسأل أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فيهم علي بن أَبي طالب رضی اللہ عنہ، فقالوا: حسن، و علي رضی اللہ عنہ ساكت لم يتكلم معهم. فقال: مالك يا أبا الحسن لا تتكلم؟ قال: قد أشاروا عليك، و لا بأس بما قالوا، إن لم يكن أمراً و اجباً ولا جزية راتبة يؤخذون بها۔(۱)

''حضرت حارثہ بن مضرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حج کیا تو ان کے پاس شام کے کچھ معززین آئے، انہوں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! ہمارے پاس مال اور جانور ہیں، ہم سے صدقہ لے کر ہمیں پاک کیجئے۔ وہ ہمارے لئے زکوٰۃ ہوگی۔ آپ نے فرمایا یہ وہ کام ہے جو میرے پیش رو دونوں حضرات (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) نے نہیں کیا، لیکن تم انتظار کرو تاکہ میں مسلمانوں سے پوچھ لوں۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا ان میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مسلمانوں نے کہا ٹھیک ہے (لے لیں)، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ خاموش تھے

(۱) طحاوی، شرح معانی الآثار، ۲: ۷۷

انہوں نے کوئی بات نہ کی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابو الحسن! آپ کو کیا ہوا، آپ گفتگو نہیں کرتے، اس پر انہوں نے فرمایا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو جو رائے دی ہے اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ فرض نہ ہو اور نہ ہی بطور جزیہ لیا جائے۔‘‘

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أنّ عمر رضی اللہ عنہ كان يأخذ من الفرس عشرة، ومن البرذون خمسة۔(۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ عربی گھوڑے پر دس اور عجمی پر پانچ درہم لیتے تھے۔‘‘

۱۵۔ بیت المال سے وظیفہ کا تقرر

اِبتداءً لوگ کسی خدمت کے عوض تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ اسے زہد و ورع اور وقار کے خلاف سمجھتے تھے لیکن یہ بات ایک توسیع پذیر سلطنت کے اُصولِ اِنتظام اور اَمرِ تمدن کے خلاف تھی۔ عمال کی دیانتداری اور راست بازی قائم رکھنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی معقول تنخوائیں مقرر کیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور مالِ غنیمت اس کے علاوہ تھا۔ **علامہ ابن عبد البر** (۴۶۳ھ) ’’**الإستيعاب في معرفة الأصحاب**‘‘ میں نقل کرتے ہیں:

لما فرض عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ للناس فرض لأُسامة بن زيد خمسة آلاف و لإبن عمر ألفين فقال إبن عمر فضلت على أُسامة وقد شهدت ما لم يشهد فقال إنّ أُسامة كان أحب إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منک و أبوه أحب إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من أبيک.(۲)

(۱) طحاوی، شرح معانی الاثار، کتاب الزکوۃ، باب الخیل، ۲: ۲۶

(۲) ابن عبد البر، الإستيعاب فی معرفة الأصحاب، ۱: ۷۶

’’جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اُسامہ بن زید کا وظیفہ پانچ ہزار اور (اپنے بیٹے) ابن عمر کا دو ہزار مقرر کیا۔اس پر ابن عمر نے عرض کیا کہ آپ نے مجھ پر اُسامہ کو ترجیح دی ہے حالانکہ جتنی جنگوں میں میں نے شرکت کی ہے اُس نے نہیں کی۔اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُسامہ تمہاری نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبوب تھا اور اس کا باپ (زید بن حارثہ) تمھارے باپ کی نسبت آپ علیہ السلام کو زیادہ پیارا تھا۔‘‘

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب خود بھی اَمرِ خلافت میں مشغول ہو گئے تو انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلا کر اپنے وظیفے کے بارے میں مشورہ کیا۔’’الطبقات الکبری‘‘ میں ابن سعدؒ (۲۳۰ھ) بیان کرتے ہیں:

و أرسل إلی أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاستشارهم فقال قد شغلت نفسی فی هذا الأمر فما یصلح لی منه؟(۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی طرف آدمی بھیجا اور مشورہ طلب کیا اور فرمایا آپ لوگوں نے مجھے اس اَمر (خلافت) میں مشغول کر دیا ہے اب میرے لئے اس (بیت المال) سے کس حد تک (وظیفہ) لینا جائز ہے؟‘‘

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۳۰۷